ماہنامہ
مجلہ
حیاتِ نو
بلریاگنج

ایمان کا تقاضا

جس طرح حق کی فطرت یہ ہے کہ وہ غالب ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ اسی طرح حق پرستی کی بھی یہ عین فطرت ہے کہ وہ حق کو جان لینے کے بعد باطل پر اسے غالب کرنے کی سعی کئے بغیر چین نہیں لے سکتی۔ جو شخص دیکھ رہا ہو کہ ہر طرف زمین پر اور اس کے باشندوں پر چھایا ہوا ہے اور یہ منظر اس کے اندر کوئی چبھن، کوئی تڑپ پیدا نہیں کرتا۔ اس کے دل میں اگر حق پرستی ہے بھی تو سوئی ہوئی ہے۔ اسے فکر کرنی چاہیے کہ نیند کا سکوت کہیں موت کے سکوت میں تبدیل نہ ہو جائے۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریاگنج

جلد ۱۲ | ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ، اگست، ستمبر ۱۹۹۶ء | شمارہ ۸-۹

بدلِ اشتراک

سالانہ زر تعاون ۵۰/۰۰ روپے
طلبہ کے لئے ۴۰/۰۰ روپے
خصوصی زر تعاون ۱۰۰/۰۰ روپے
اعزازی زر تعاون ۱۰۰۰/۰۰ روپے
غیر ممالک سے زر تعاون ۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ ۵/۰۰ روپے

مدیر مسئول
طارق فلاحی فلیط فلاحی

مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ
فون ۲۵۱۱۹ ۲۶۶۱۲۱

پرنٹر پبلشر نور محمد فلاحی نے نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر حیاتِ نو بلریاگنج سے شائع کیا۔
کتابت :- محمد اشفاق عالم مفتاحی

حمد

فرحت حسین خوش دل

اے خدا میں کروں ثنا تیری — بندگی میں کروں ادا تیری
تیرے احسان کا ذکر کیسے کروں — نعمتیں بکھری جابجا تیری
حاجتیں تیری اُس کو ہے معلوم — پوری حاجت کرے خدا تیری
سر جھکا کر مانگے گا رب سے — پوری ہو جائے گی دعا تیری
مجھ کو جنت کی آرزو نہ رہے — مجھ کو مل جائے بس رضا تیری
حشر کے روز میرا کیا ہوگا — جھیل سکتا نہیں سزا تیری
پر تو ممکن نہیں کسی کے لئے — بندگی کر دے سب ادا تیری
کر محمدؐ کی اتباع خوشدل — درگذر ہوگی سب خطا تیری

سلام و پیام

ابوالبیان حماد

زہے نصیب، شہادت کا جام آتا ہے — کہ میرے نام پیامِ دوام آتا ہے
ہاں خودی بھی ہم کو خبر نہیں ہوتی — رہِ وفا میں اک ایسا مقام آتا ہے
پر کیسے چھوٹ گیا صبر و ضبط کا دامن — مری زباں پہ یہ کیوں ان کا نام آتا ہے
تڑپ چھپے وہ مرے اضطراب کا عالم — کبھی جواں کا سلام و پیام آتا ہے
خرامِ ناز نے فتنے جگائے ہیں کتنے — بہ صد شکوہ وہ محشر خرام آتا ہے
پر دیکھئے مرا دل جا رہا ہے پہلو سے — وہ دیکھئے کوئی بالائے بام آتا ہے
خرد نے راہِ محبت میں ساتھ چھوڑ دیا — وہ صرف جوشِ جنوں ہے جو کام آتا ہے
جہاں بھی تذکرہ ہوتا ہے جاں نثاروں کا — تو سب سے پہلے ہمارا ہی نام آتا ہے
وہ میری بزمِ تصور سے جا نہیں سکتے — خیال اُن کا مجھے صبح و شام آتا ہے
کہیں پناہ نہیں مل سکے گی باطل کو — کہ پھر جہان میں حق کا نظام آتا ہے

اُسے بھی لے کے چلو ساتھ قافلے والو!
ابوالبیان زمیں تیز گام آتا ہے

نقوش حیات نو

		صفحہ
اداریہ		
حب رسول کے تقاضے	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳
بحث ونظر		
تلاش نظم کیلئے چند اہم اشارات	خالد مسعود	۱۱
وضاعین حدیث اور وضع حدیث کے اسباب	ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی	۳۸
شبلی کی سوانح نگاری	سرور عالم ندوی	۲۷
لکھ رہا ہوں جنوں میں...		
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی	ابوالاسان لغوی	۳۴
شعر ونغمہ		
حمد، سلام وپیام	فرحت حسین خوشدل، ابوالبیان	ٹائٹل
غزل	جاوید احسن فلاحی	۶۴
شخصیات		
مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ	محمد اسحٰق فلاحی	۲۱
وفیات		
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	محمد اسمٰعیل فلاحی	۵۸
پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی		
روداد انجمن		
ناظم اجلاس سے انٹرویو	طارق حسین	۵۱
جامعہ کے لیل ونہار		
صدر جامعہ کا پیغام، دیار کے فلاحی برادران کی میٹنگ	محمد اشفاق عالم فلاحی	۶۰
پروگرام اجلاس عام		۶۲

اداریہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

حب رسول کے تقاضے

جب مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ صحن کعبہ میں چل کر، قریش کی مجلس میں کھل کر اسلام کی دعوت پیش کی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو ساتھ لیکر قریش کی مجلس میں پہونچے، صدیق اکبر کا انہیں اسلام کی دعوت دینا تھا کہ وہ سب ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر پل پڑے۔ صدیق اکبر کے بارے میں آتا ہے کہ

وَوُطِئَ الصِّدِّيقُ وَضُرِبَ ضَرْبًا شَدِيدًا وَجَعَلَ عُتْبَةُ يَضْرِبُهُ بِنَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ عَلَى وَجْهِهِ وَجَبْهَتِهِ حَتَّى سَوَّى أَنْفَهُ وَوَجْهَهُ۔	صدیق کو اس دن پیروں سے روندا گیا نعل لگے ہوئے جوتوں سے چہرے اور پیشانی پر مارا گیا یہاں تک کہ چہرہ اور ناک دونوں برابر ہوگئے۔

ورم اتنا شدید تھا کہ ناک کا پتہ نہ چلتا تھا۔ (وَخَفِيَ عَلَى النَّاظِرِ إِلَيْهِ مَكَانُ أَنْفِهِ) مشرکین اسی طرح زدوکوب کرتے رہے تا آنکہ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ مر گئے۔ پھر انہیں اٹھا کر گھرے جایا گیا جیسے کہ مردہ کو لے جایا جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو پہلا لفظ جو ان کی زبان مبارک سے نکلا، یہ تھا کہ

مَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔

زخموں سے چور ہیں، پورا جسم لہولہان ہے، بولنے کی طاقت نہیں، پورے طور پر ٹوٹ چکے ہیں۔ لیکن کسی چیز کا احساس نہیں، بس فکر ہے تو اس بات کی کہ اللہ کے رسول کیسے ہیں؟ انہیں اطمینان دلایا گیا کہ رسول خدا صحیح سالم ہیں۔ لیکن انہیں اطمینان نہیں ہوا۔ کہا جب تک ان آنکھوں سے آپ کو دیکھ نہ لوں کچھ کھا پی نہیں سکتا۔ چنانچہ

وہ کسی طرح سے اٹھا کر رات میں دارِ ارقم پہونچائے گئے جہاں رسولِ خدا تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ کو دیکھتے ہی آپ سے لپٹ گئے اور آپ کو بوسہ دینے لگے اور اپنے زخم بھی انہیں یاد نہیں رہے۔ وہ حضورؐ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ صرف چہرہ پر ذرا سی چوٹ ہے۔

ہجرت کی رات ہے۔ قریش کے جوانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر رکھا ہے، تلواریں بے نیام ہیں، دوسری جانب امین قریش کے پاس قریش کی امانتیں ہیں، انکی امانتیں انہیں واپس کرنے کیلئے علیؓ کے سپرد کرتے اور انہیں اپنے بستر پر سلا دیتے ہیں۔ علیؓ نہایت اطمینان سے بلاخوف وخطر آپ کے بستر پر سو جاتے ہیں۔ حضورؐ گھر سے نکل جاتے ہیں اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، ساتھ میں صدیق اکبر ہیں، غار ثور پہلی منزل ہے، وہاں تین دن رکنا ہے، صدیق اکبر حضورؐ کو اندر جانے نہیں دیتے، پہلے خود داخل ہوتے ہیں، اسے صاف کرتے اور اپنا کپڑا پھاڑ کر ایک سوراخ بند کرتے ہیں، دو سوراخ باقی رہ جاتے ہیں، ان پر اپنے پیر رکھ دیتے ہیں کہ مبادا کوئی اذیت رساں چیز نکل کر حضور کیلئے تکلیف کا سبب نہ بن جائے۔ حضور ان کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو جاتے ہیں۔ سوراخ سے سانپ ان کے پیروں میں ڈس لیتا ہے، پھر بھی وہاں سے پیروں کو ہٹانا یا حضور کو جگانا گوارا نہیں، زہر کی شدت سے بے اختیار آنسو کے قطرے حضور کے اوپر ٹپک پڑتے ہیں حضور کی آنکھ کھلتی ہے اور آپ لعاب دہن لگا دیتے ہیں، تکلیف زائل ہو جاتی ہے۔

اسی چیز کا نام ہے حب رسول، محبت رسول اسے کہتے ہیں۔ جان خطرہ میں ہے، دشمن کے نرغہ میں ہیں، سانپ نے ڈس لیا ہے لیکن اپنی کوئی فکر نہیں، بس اپنے حبیب کا خیال ہے، میرے حبیب کو کوئی تکلیف نہ ہو، محبت کا کیسا کامل نمونہ ہے یہ اور کیوں نہ ہو یہ محبت تو مدار ایمان ہے۔ مومنین کی یہ صفت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (مشکوٰۃ)

تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسکے نزدیک اسکے والد، اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھکر پیارا نہ ہو جاؤں۔

اور یہ محبت سب سے بڑھکر کیوں نہ ہو؟ آپ سے بڑھکر ہمارا محسن کون ہے آپ کی بدولت ہمیں دین ملا، ساری دنیا ہوتی، اسکی ساری رعنائیاں اور تمام سہولتیں ہوتیں اور یہ خدا کا بھیجا ہوا دین نہ ہوتا تو پھر یہ دنیا مہ وانجم کے ہوتے ہوئے بھی تیرہ و تار ہوتی۔ ہم ظلمت میں ٹھوکریں کھا رہے ہوتے۔ اگر یہ دین نہ ملتا تو آخرت بگڑتی ہی، یہ دنیا بھی نہ سنورتی۔

پھر آپ نے یہ دین ہم تک کس طرح پہونچایا؟ یاد کیجئے صحن کعبہ میں سر مبارک پر اونٹ کی اوجھ، گلے میں چادر کا پھندا، شعب ابی طالب کی محصوری، طائف کی گلیوں میں اوباشوں کا پتھراؤ اور اس سے بڑھکر بھی بہت کچھ۔ خود آپ کا ارشاد ہے

لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ (سفینۂ نجات بحوالہ ترمذی)

اللہ کی راہ میں جتنا مجھے خوفزدہ کیا گیا کسی دوسرے کو نہیں کیا گیا اور جتنی مجھے اذیت دی گئی کسی دوسرے کو نہیں دی گئی۔

طائف میں خون سے لہولہان ہیں۔ طائف کی دونوں پہاڑیوں پر مامور فرشتے حاضر ہوتے اور اہل طائف کو ان پہاڑیوں سے پیس ڈالنا چاہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں نہیں، نہیں، یہ نہیں تو انکی اولاد ایمان لائے گی۔ اللہ اللہ! قربان جائیے ایسے نبی پر، ان پر ہماری ہزاروں جانیں قربان۔

محبت نام ہے اس کا کہ انسان کو محبوب کے ذکر کے بغیر چین نہ آئے، اس کے ذکر میں اسے لذت اور چاشنی ملے، اس کی پسند اس کی پسند اور اس کی ناپسند

اس کی ناپسند بن جائے، وہ اس کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرے، اس کی ہر ادا اسے بھائے اور اس کا ہر طریقہ اسے اچھا لگے۔

نبیؐ سے یہی محبت کا تقاضا ہے کہ آپؐ کا ذکر کے بغیر ہمیں قرار نہ آئے، ہم آپ کے لئے، آپ کی آل اولاد اور ساتھیوں کے لئے دعائے خیر کریں آپ پر درود بھیجیں آپ کے احسان عظیم کا حق ہم ادا نہیں کر سکتے۔ بس آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکتے ہیں اور اس کا بھی فائدہ ہمیں کو ہوگا، آپ جواب میں سلام کہیں گے اور جس کو حضورؐ سلام کہیں اس کی قسمت کا کیا کہنا۔ بڑا احسان فراموش اور بخیل ہے وہ جس کے سامنے آپ کا نام آئے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔

آپ سے محبت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہمیں آپ کے لائے ہوئے دین سے محبت ہو اور آپ کی سنت ہمیں جان و دل سے عزیز ہو، آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا تھا۔

یَا بُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَا بُنَیَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ

(انتخاب حدیث بحوالہ ترمذی)

بیٹے اگر تم سے ہو سکے تو اس طرح صبح و شام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کوئی میل نہ ہو، پھر فرمایا۔ بیٹے یہ روش میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اسی وجہ سے آپؐ کا ارشاد ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى یَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔

(مشکوٰۃ)

تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔

آپ نے یہاں تک فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ كَانَ حَیًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ

(مسند احمد، مشکوٰۃ)

(انتخاب حدیث)

(بروایت جابرؓ) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر موسیٰ تمہارے سامنے آجائیں اور تم انکی پیروی کرنے لگو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا زمانۂ نبوت پاتے تو میری اتباع کرتے۔ ایک دوسری روایت میں ہے ان کیلئے میرے اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔

آپؐ نے اپنی اطاعت نہ کرنے والوں کو انکار کرنے والا بتایا ہے فرمایا

كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى، قِیْلَ وَمَنْ اَبٰى یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى۔

میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوائے انکے جو انکار کریں پوچھا گیا انکار کرنیوالے سے آپکی کیا مراد ہے رسول اللہ! فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی گویا اس نے انکار کیا۔

اسی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس معاملہ میں بہت بیدار رہتے آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہا کرتے اور حکم ملتے ہی کرنے کیلئے دوڑ پڑتے خریم اسدی ایک صحابی ہیں۔ انکے بارے میں آپ نے فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَیْمٌ الْاَسَدِیُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِهٖ۔

(ابو داؤد)

خریم اسدی کیا خوب آدمی ہیں اگر لمبی لٹکی نہ ہوتیں اور ازار ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتا۔

خریم اسیدی کو حضور کے ارشاد کی اطلاع ہوئی تو فوراً انہوں نے قمیں چھوٹی کرالیں اور ازار نصف پنڈلی تک لے آئے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ عبداللہؓ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ عبد الله لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ (متفق علیہ)	عبداللہ بڑے اچھے آدمی تھے اگر قیام لیل کرتے ہوتے۔

حضرت عبداللہؓ کے شاگرد اور آزاد کردہ غلام حضرت سالم کا بیان ہے کہ اس کے بعد عبداللہ رات کو بہت کم سویا کرتے۔ ایک اور صحابی رسول ہیں ابو جُرَیّ جابر بن سلیم۔ انہوں نے رسول اللہ سے کچھ نصیحت کی درخواست کی آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا (ابوداؤد ترمذی)	تم کسی کو ہرگز گالی نہ دینا۔

ابو جری جابر بن سُلیم کہتے ہیں۔

فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً۔	اس کے بعد میں نے کسی کو برا بھلا نہ کہا نہ آزاد شخص کو نہ غلام کو حتی کہ نہ کسی اونٹ کو اور نہ کسی بکری کو۔

محبت رسول کا یہ بھی تقاضا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہمیں آپ کا لایا ہوا دین عزیز ہو اور ہمیں آپ کی سنت سے پیار ہو بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہماری غیرت و حمیت کو یہ بھی گوارہ نہ ہو کہ ہمارا عزیز دین محکوم و مغلوب رہے اور آپ کی سنت کی جگہ بدعات کا غلبہ ہو، ہم اس دین کو عام کرنے، اس سنت کو زندہ کرنے اور رسول کے مشن کو پھیلانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ آج یہ دین مغلوب ہے۔ خود اپنے نام لیواؤں کے درمیان اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ صورت حال پھر بھی ہمیں چین کیونکر آتا ہے اور ہم سکون کی نیند کیسے سوتے ہیں؟ انسانیت سے بھی محبت کا تقاضا ہے اور ہمارا فریضہ منصبی بھی کہ ہم اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہونچائیں اور انہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کریں۔

صحابہ کرام نے اللہ کے رسول سے محبت کی تو انہوں نے اسے سچ کر دکھایا اور دیا اور صحیح معنوں میں محبت کا مفہوم دیا۔ سارے علائق انہوں نے کاٹ کر رکھ دیئے جو بھی اس دین سے ٹکرایا اس سے رشتہ منقطع کر لیا۔ گھربار اور عزیز واقارب سب کو چھوڑ دیا اور جب کفار مقابلہ میں آئے تو کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ کون باپ ہے اور کون بھائی۔ تاریخ شاہد ہے ابو عبیدہ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح، مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر، عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ پر تلوار اٹھائی علی، حمزہ اور عبیدہ بن الحارث نے اپنے عزیزوں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو تہ تیغ کیا۔ ابوبکر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے لڑنے کیلئے تیار ہو گئے لیکن اللہ کے رسول نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ عبدالرحمٰن ایمان لانے کے بعد کہتے ہیں کہ ابا جان! ایک بار آپ میری تلوار کی زد میں تھے لیکن میں نے تلوار روک لی، صدیق اکبر بولے بیٹے! اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو میں تمہیں نہ چھوڑتا۔

وہ بڑا سخت مرحلہ تھا، حضور اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے، قبائل عرب میں بغاوت کی لہر تھی۔ ارتداد کی خبریں آ رہی تھیں۔ لوگوں کا مشورہ تھا کہ ملکی حالات کا تقاضا ہے حضرت اسامہ کی سرکردگی میں جو لشکر تیار ہے اور جسے خود حضور نے تیار کیا، فی الوقت اسے روانہ نہ کیا جائے۔ صدیق اکبر بولے اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ پرندے ہمیں اچک لیں گے اور کتے امہات المومنین کے پیروں کو گھسیٹتے پھریں گے تو بھی میں جیش اسامہ کو روانہ کروں گا۔

اسی موقع پر جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا۔

وَاللهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔	بخدا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریگا اس سے میں جنگ کروں گا۔

صورت حال بڑی نازک تھی، باہر سے دشمنوں کا خطرہ اور اندر افراتفری، اس موقع پر حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی کہ ایسا نہ کیا جائے۔ صدیق اکبر نے عمر سے کہا۔

أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ أَيَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ ـ

عمر تو جاہلیت میں تو بڑے بہادر تھے اور اسلام میں کمزور پڑ گئے۔ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اور دین مکمل ہو چکا ہے، کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی۔

أَيَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ ـ (میرے زندہ ہوتے ہوئے دین میں کمی کی جائے گی؟) یہ ہے مرد مومن کی آواز اور سچے عاشق رسول کے سوچنے کا انداز۔ اسے یاد رکھئے اور اپنے روز و شب، اپنے مشاغل اور اپنے حوصلوں کا جائزہ لیجئے۔

بقیہ: قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم

شیخ نصیر الدین اودھی چراغ دہلی، شیخ حسام الدین مانک پوری، قاضی شہاب الدین دولت آبادی، ملا محمود جونپوری، حاجی ابو الخیر جیبردی، اللہ داد جونپوری، سید اشرف سمنانی جیسے اہم اکابر نے علم و فضل کے دیپ جلائے، ان علاقوں میں چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ، اشرفیہ، قلندریہ، عاشقیہ، مداریہ جیسے اہم روحانی سلاسل کو فروغ حاصل ہوا۔ ان علماء و فضلاء و مشائخ اور سلاسل کا باقاعدہ تعارف قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "دیار پورب میں علم اور علماء" میں کرایا ہے جس کے مطالعہ سے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی سبحۃ المرجان اور مآثر الکرام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس موضوع پر مزید کام کرنے والوں کے لئے یہ کتاب بہترین رہنما بن سکتی ہے۔

ضرورت ہے کہ مذکورہ بالا مواد اور موضوع پر مزید کام کر کے اس مشن اور تحقیق کو اور آگے بڑھایا جائے جہاں قاضی صاحب نے اپنی کبر سنی میں اسے چھوڑا ہے۔ انہوں نے ایک مخصوص ماحول میں جس جذبہ سے اس کام کا انتخاب کیا تھا اور ہمیں اپنے شاندار ماضی سے جوڑنے کی کوشش کی تھی آج اس کی معنویت جوں کی توں باقی ہے۔ مرحوم اپنا کام کر کے اور ہمیں ہمارا کام بتا کر رخصت ہو گئے۔ کاش ہم اپنا کام انجام دے سکیں۔

افادات فراہی

خالد مسعود

تلاش نظم کے لئے چند اہم اشارات

ہر کلام کے نظم کو اور بالخصوص کلام وحی کے نظم کو جاننے کیلئے خاص اصول ہیں۔ مثلاً

الف۔ ایک بات یا تو ایک ہی جملے میں ادا ہو جاتی ہے یا متعدد ایسے جملوں میں جن کا موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔

ب۔ بعد میں آنے والا جملہ پہلے آنے والے جملے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے جڑا ہونے کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یا تو بعد کا جملہ سابقہ جملہ کے موضوع میں مشترک ہوتا ہے یا اس کے کسی خاص جزو سے ملا ہوا ہوتا ہے یا اس کا موضوع پہلے جملہ کے موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

ج۔ بعد میں آنے والے جملے کا تعلق کبھی تو سابقہ جملہ کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس سے اوپر کے کسی جملہ یا مضمون سے مربوط ہو۔

ان اصولوں سے کئی چیزیں متفرع ہوتی ہیں، جن کو آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے۔

قرین پر غور:

قرین سے مراد دو کلمات یا دو اقوال کا ساتھ ساتھ آنا ہے، خواہ یہ حرف عطف کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔ اس طرح ساتھ ساتھ آنے والے الفاظ یا جملے ایک دوسرے کے قرین کہلاتے ہیں۔ قرین کا پایا جانا مختلف معانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، مثلاً

الف۔ ایک قرین دوسرے کی وضاحت یا اسکے مضمون کی تاکید کرتا ہے متعدد صفات باری تعالیٰ اسی مقصد کے لئے ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ مثلاً

عزیز مقتدر (زبردست اور ہمہ گیر اقتدار والا) العزیز الجبار (غالب اور زور آور) اور عزیز ذو انتقام (غالب اور انتقام لینے والا)

کسی خاص صفت کے ساتھ کئی صفات کا بطور قرین آنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ مختلف صفات ایک ہی جامع امر کے تحت ہیں۔ مثلاً عزیز کی صفت رحیم، علیم، حکیم اور غفار کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت رحمت، حکمت، علم اور غفران ایک ہی جامع صفت کے پرتو ہیں۔

ب۔ دو قرین کسی ایک معنی میں مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً فرمایا

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (رحمٰن: ۵، ۶)

(سورج اور چاند ایک حساب سے گردش کرتے ہیں اور ستارے اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں)

یہاں دو متصل جملوں میں بحسبان اور یسجدان کے الفاظ لاکر اس بات پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ یہ سب چیزیں خدا کے آگے مسخر بھی ہیں اور اس کی عبادت میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ سورج اور چاند کا ایک معین نظام میں حرکت کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ کسی حاکم کے تحت ہوں جس نے ان کو اس خدمت پر لگا رکھا ہو۔ لہذا یہ دونوں اسی کی عبودیت میں ہیں اور اس کے تخت شاہی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔ عالم جمادات کی ان دو واضح نشانیوں کے بعد عالم نباتات کے سجدہ کا ذکر کر کے متنبہ کر دیا کہ اسی طرح عالم حیوانات بھی خدا کے آگے سرنگوں رہتا ہے اس مضمون کی وضاحت دوسری جگہ کر دی۔ فرمایا

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السماوات و من فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس (۲۲، ۱۸)

(کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ کے آگے جھکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور لوگوں میں سے بہتیرے۔)

ج۔ ایک قرین جب دوسرے کے موافق ہوتا ہے تو اس کی تائید کرتا ہے اور

غور کرنے پر انکی مماثلت سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً مواسات یا انسانی ہمدردی کا ذکر ایک مقام پر نماز کے ساتھ آیا ہے اور دوسری جگہ ایمان باللہ یا ایمان بالآخرۃ کے ساتھ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز اور ایمان ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں۔

مثلاً فرمایا۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (مدثر: ۴۲، ۴۳)

(وہ جواب دیں گے، ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ غریبوں کو کھلاتے ہی تھے)

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الحاقہ: ۳۲، ۳۳)

(یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ مسکینوں کو کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا تھا)

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (ماعون: ۲، ۳)

(دیکھا تم نے اسکو جو جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکینوں کو کھلانے پر نہیں ابھارتا)

ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر ہم اس نتیجہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، نماز اور مواسات، سب کا تعلق ایک ہی اصل سے ہے۔

اسی طرح عمل صالح کا ذکر کہیں ایمان کے قرین کی حیثیت ہوا ہے کہیں تقویٰ کے قرین کی حیثیت سے جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان ایک ہی شے ہیں شرک کا ذکر شہادت زور (جھوٹی گواہی) کے ساتھ بھی ہوا اور زنا کے ساتھ بھی۔ اس سے ان چیزوں کی ایک دوسرے کے ساتھ معنوی مناسبت واضح ہوتی ہے۔

اس اسلوب کی روشنی میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دو قرینوں میں سے اگر ایک فنا ہوگا تو دوسرا قرین بھی باقی نہیں رہ سکتا اور ایک چیز اگر باقی رہے گی تو دوسری کو بھی باقی رکھنے کا باعث ہوگی۔ چنانچہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ کرنے اور کبھی صلوٰۃ کو زکوٰۃ پر اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر مقدم کرنے میں یہی مصلحت ملحوظ ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے

کہ اگر ان میں سے ایک چیز فنا ہو جائے گی تو دوسری بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن ہمیں اس اسلوب کے ذریعے دو چیزوں کے اثرات کی مماثلت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترک صلوٰۃ کے اثر کے حوالہ سے ترک زکوٰۃ کے اثر پر استدلال کیا اور ان لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے گی جب تک وہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرنے لگ جاتے۔

د۔ دو قرین کبھی ایک دوسرے کے مقابل کے طور پر بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اس طرح آتی ہیں۔ مثلاً العزیز الغفار (زبردست اور بخشنے والا) یا العزیز الرحیم (زبردست اور رحم کرنے والا) وغیرہ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ اگرچہ ہمیں متضاد نظر آتی ہیں لیکن وہ سب ایک ہی امر کلی کے تحت ہیں۔

مختلف و متضاد چیزوں کو یکجا کر کے بیان کرنے کا ایک فائدہ ان کی حقیقت کو سمجھانا ہوتا ہے کیونکہ اشیاء اپنے اضداد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہیں۔ نیز ایک شے اپنی ضد شے کی نفی کرتی ہے۔ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ متضاد امور کی تصریح کر دیتا ہے اور کبھی محض اشارہ کو کافی سمجھتا ہے۔ اس اصول پر قرآن نے صدقہ اور ربا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لئے ربا کا جو اثر آدمی پر پڑتا ہے، صدقہ کا اثر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چنانچہ ربا کے ضمن میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ: ۲۷۵)

(جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو)

اس کے برعکس صدقہ کا اثر حق پر دل کو جمائے رکھنا بتایا:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (بقرہ ۲۶۵)

(اور ان لوگوں کے عمل کی تمثیل جو اپنے مال اللہ کی رضا جوئی اور اپنے دلوں کو جمائے رکھنے کے لئے خرچ کرتے ہیں یوں ہے)

ربا اور صدقہ کو ایک دوسرے کے ضد قرار دینے کیلئے موقع کلام میں اشارات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ربا پر اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا جبکہ صدقہ کو اللہ کی رضا کا نام دیا گیا۔ پھر آیت ۲۷۶ میں دونوں کو مقابل رکھ کر فرمایا۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (بقرہ - ۲۷۶) (اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا)

اس طرح متضاد امور کو ساتھ ساتھ بیان کرنے کا مقصد اخلاق کی تعمیر اور دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

ہ۔ ساتھ ساتھ آنے والے دو جملوں میں تعلق علت اور نتیجہ کا بھی ہوتا ہے۔ کبھی علت پہلے بیان ہوتی ہے اور نتیجہ بعد میں، لیکن کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جب دو امور کے درمیان یہ نسبت معلوم ہو جائے تو جب دونوں میں سے ایک کا ذکر کر دیا جائے تو دوسرے امر کی طرف رہنمائی خود بخود مل جاتی ہے۔ اس کی مثال کے لئے حسب ذیل آیات پر غور کرو۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (النازعات: ۳۷-۴۱)

(تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی۔ اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو خواہش کی پیروی سے روکا تو اس کا ٹھکانا لاریب جنت ہے)

ان آیات میں سرکشی نتیجہ ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی علت۔ دوسری طرف رب کے آگے حاضری کا خوف علت ہے اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنا اس کا نتیجہ۔ جب دو امور کے مابین یہ نسبتیں معلوم ہو گئیں تو نتیجہ باخذ

کرنا مشکل نہیں رہا کہ دنیا کو ترجیح دینے والا شخص ایک طرف لازماً سرکشی کی راہ اختیار کرے گا اور دوسری طرف اپنے رب سے بھی بے پروا ہو جائے گا۔ اس نتیجہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا شخص نفس کو خواہشات سے بچا نہیں سکتا۔ اس کے رویہ میں جب یہ اثر پایا جاتا ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس اثر کی علت بھی اسکے ہاں پائی جاتی ہے۔

و۔ لفظ اپنے لازم معانی پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا لازم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل کرے، کوئی چیز بے مقصد پیدا نہ کرے اور کمزور کو کوئی ایسا حکم نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ جب تم کوئی لفظ پڑھو اور اس کے تمام لازم معانی کو بھی ذہن میں رکھو تو تم پر کلام کا ربط واضح ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی آیت أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد ۲۴) (کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں) میں جس غور کا ذکر ہے میرے نزدیک اس سے مراد الفاظ کے لازم معانی ہی پر غور کرنا ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری چیز وہ لازم مفہوم ہے جو کسی لفظ سے مترتب ہوتا ہو۔ مثلاً نعمت کے لئے شکر لازم ہے، مالک کے لئے عبادت لازم ہے، ایک قادر مطلق اور نعمت عطا کرنے والے مالک کا لازم حق ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس پر اعتماد و توکل کیا جائے۔ قرآن مجید میں اکثر دیکھو گے کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت بیان ہوتی ہے یا اس کی قدرت کاملہ کے بیان کے بعد شرک کا رد ہوتا ہے تو یہ انہی لازم مفاہیم کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ز۔ جب کلام کے تمام حصوں میں وسیع ربط قائم کرنا ممکن ہو جس کے نتیجہ میں کوئی حصہ ربط سے محروم نہ رہتا ہو تو وہاں ربط کے ایسے پہلو مراد نہیں لینے چاہئیں جو قریب اور متصل حصوں کو تو مربوط کر دیتے ہوں لیکن اس بعید حصہ کو

مربوط نہ کرتے ہوں جس کا مضمون پوری طرح چھایا ہوا ہو۔

اسی طرح مفہوم کے اس پہلو کو جس کے حق میں عبارت کے اندر کوئی دلیل موجود ہو کسی بھی ایسے پہلو پر ترجیح دی جائے گی جو صرف ایک مفروضہ ہو۔

علیٰ ہذا القیاس، مفہوم کا وہ پہلو ترجیح پائے گا جس کی موافقت کتاب و سنت کی محکمات کے ساتھ ہو گی۔

اس مضمون کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (المائدہ: ۳۵-۳۶)

(اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے اگر انہیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور بھی تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہو گا۔ ان کے لئے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شاہ عبد القادر دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں:

"رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرو وہ قبول ہے اور بغیر اس کے عقل سے کرو قبول نہیں"۔ یہ کلام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن جہاں تک لفظ وسیلہ کے مفہوم کا تعلق ہے اس تفسیر کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ عمل کے صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس میں پیغمبر کی اطاعت پائی جائے۔ کیونکہ پیغمبر آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف دعوت دے اور اس کی وضاحت کرے۔ اس لئے یہاں وضع دخل مقدر کا کوئی موقع نہیں۔

آیت ماقبل اور مابعد سے موافقت رکھنے والی تفسیر یہ ہے کہ بندے کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے تقویٰ کو ایسے اعمال کے ذریعے ثابت کرے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والے ہوں۔ مثلاً قربانی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم (حج: ۳۷)

(اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون بلکہ اسکو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔)

ماسبق آیات میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا جس میں قربانی اور تقویٰ کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے اور اس کے ذریعے فلاح پانے کا ذکر تھا۔ یہ ذکر اس ضمن میں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ کی راہ میں قتال سے انکار کر دیا تھا۔ جان اور مال کی قربانی کا تعلق جہاد اور وسیلہ سے بالکل ظاہر ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر آگے فرمایا کہ جاهدوا في سبيله۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے تقویٰ کا ثبوت جہاد کر کے پیش کرو، تو فلاح پاؤ گے۔ قربانی خواہ جان کی ہو یا مال کی، وہ فدیہ ہوتی ہے۔ یہ مفہوم عربوں کے فہم سے بہت قریب تھا۔ چنانچہ ان کے کسی شاعر کا شعر ہے۔

نهين النفوس وهون النفوس عند الكريهة ابقى لها۔

(ہم جانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ گھمسان کے رن میں جانوں کو معمولی سمجھنا انکی بقا کا ضامن ہوتا ہے)۔

فلاح کے مفہوم میں بقا شامل ہے اور فدیہ، قربانی اور اس کے ذریعہ سے برکت کا معنی بھی اس میں شامل ہے۔ لہٰذا جب فرمایا لعلكم تفلحون (تاکہ تم فلاح پاؤ) تو اسکے بعد یہ وضاحت بھی کر دی کہ قیامت میں فدیہ کے طور پر دنیا بھر کی دولت پیش کی جائے گی تو اسکو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا تمہارے لئے لازم ہے کہ دنیا میں صالح اعمال کے ذریعے اپنا فدیہ پیش کرو۔

تم نے دیکھا کہ اس تفسیر کی بنیاد وسیع ربط پر ہے، اس کے حق میں عبارت

کے اندر شہادتیں موجود ہیں، قرآن کے اندر اس مفہوم کے محکم شواہد پائے جاتے ہیں اور زبان اسکی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(ii) دوسری مثال سورہ انعام میں ہے۔ فرمایا

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُوْنَ (انعام: ۱۲۶)

(اور یہ تیرے رب کی راہ ہے سیدھی۔ ہم نے اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کیلئے جو یاد دہانی حاصل کریں)

اس آیت کی تفسیر شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے یوں کی ہے:

"حکم برداری کرنی اور عقل کو دخل نہ دینا سیدھی راہ ہے۔"

اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں صراط مستقیم کی وضاحت توحید سے بکثرت کی گئی ہے۔ یہاں یہ کلام اسلام کو اللہ کے لئے خاص کرنے کے معنی میں آیا ہے اور اس اعتبار سے اللہ کی آیات پر یقین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے متصلاً پہلے یہ آیت آئی ہے:

فَمَنْ يُرِدْ اَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (انعام: ۱۲۵)

(اللہ جس کسی کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بالکل تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے)۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو طاعت کی توفیق دیتا ہے تو ان کے سینے اس کیلئے کھول دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی آیات سے فائدہ اٹھاتے اور انکو یاد رکھتے ہیں رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لانا چاہتے تو ان پر شیاطین کی نجاست پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ان کے دل حق سے پھر جاتے اور فاسد بدگمانیاں ان کو گمراہ کرتی ہیں۔ چنانچہ ان کے دل قبول حق کے لئے تنگ ہو جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ نہیں ہوتا کہ

مومنین کی عقل معطل ہو جاتی ہو بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عقلیں سلامت روی سے کام کرنے لگتی ہیں۔ "قد فصلنا" سے آگے آیت کا آخری حصہ ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید میں ہے اور قرآن کی محکمات اسی کی تائید کرتی ہیں۔

(۱۱) أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائدہ: ۴۰)

(کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہی جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جس کو چاہے گا بخشے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عبد القادر دہلویؒ فرماتے ہیں:

"یہ اس پر فرمایا کہ کوئی تعجب نہ کرے کہ چور کو تھوڑی سی خطا پر بڑی سزا فرمائی"

یہ تفسیر صحیح نہیں۔ آیت کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے۔ وہ ظالموں کو عذاب دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی قدرت سے عذاب دیتا ہے اسی طرح اپنی قدرت ہی سے معاف کرتا ہے۔ یہ تفسیر نظم کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت سے قبل چور کی سزا بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص توبہ کے بعد اصلاح کرے اس کی مغفرت میں کوئی مانع نہیں اور یہ خدا کی عین مشیت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی اجازت نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرتا ہی نہیں جو ناحق یا خلاف عدل ہو اس لئے چور کی سزا پر اعتراض کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا جس کا جواب یہاں دیا جائے۔

بشکریہ

"تدبر" لاہور، پاکستان

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم

(۷ مئی ۱۹۱۶ء — ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء)

محمد اسحٰق، لیکچرر شعبہ اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (سورۃ ملک ۱، ۲)

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی اور موت پر خدا کے علاوہ کسی کو اختیار نہیں اور یہ زندگی اور موت دونوں ہی بامقصد ہیں، ہر آدمی کو اس زندگی میں اچھائی اور برائی کے عمل کا اختیار دے کر ایک امتحان میں ڈال دیا گیا ہے، موت اس امتحان اور مہلت عمل کا اختتام ہے۔ اس کے بعد خدا ہی فیصلہ کرے گا کہ کس کا عمل کیسا ہے اور وہی ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا اچھا یا برا۔

ممتاز عالم دین، محقق اور مورخ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ۱۴ جولائی کو مبارکپور اعظم گڑھ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا ان عبقری شخصیات میں تھے جنہوں نے تفسیر، حدیث، اصول حدیث، سیرت، تذکرہ اور سوانح جیسے موضوعات پر بیش بہا تحقیقی کام کئے ہیں۔

مولانا اپنے آبائی وطن مبارک پور میں ۷ مئی ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ان کے قصبہ مبارکپور کی درسگاہ احیاء العلوم میں ہوئی اور فراغت مدرسہ شاہی مراد آباد سے

مولانا سید فخرالدین مراد آبادی، مولانا سید میاں دیوبندی، مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ انہوں نے مختلف اوقات میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور، مدرسہ نور العلوم بہرائچ، جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات اور انجمن اسلام بمبئی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آزادی سے قبل دہلی اور لاہور سے نکلنے والے متعدد اخبارات میں ادارتی فرائض انجام دیئے، برہان دہلی، روزنامہ جمہوریت بمبئی۔ البلاغ بمبئی کی بھی ادارتی ذمہ داریاں ادا کیں۔ روزنامہ انقلاب کا مشہور کالم "جواہر القرآن و احوال و معارف" ان کے قلم کی زینت بنتا رہا۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں جمعیۃ علماء مہاراشٹر کے صدر منتخب ہوئے۔ اور ساتھ ہی مہاراشٹر دینی تعلیمی بورڈ کے صدارتی فرائض بھی انجام دیئے۔

مولانا کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر سابق صدر جمہوریہ ہند گیانی ذیل سنگھ کی توصیفی سند کے علاوہ صدر ضیاء الحق مرحوم نے بھی آپ کو صدارتی اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

مولانا کی درج ذیل کتابیں "عرب اور ہند عہد رسالت میں" "خلافت راشدہ اور ہندوستان" "عہد خلفاء بنو امیہ اور ہندوستان" "ہندوستان میں عربوں کی حکومت" "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" "ائمہ اربعہ" "خیر القرون کی اسلامی درسگاہیں" "بنات الاسلام" کے علاوہ عربی میں "العقد الثمین" رجال السند والہند، الفتوحات الاسلامیہ، خیر الزاد، مراۃ العلم، اور ردوس النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل علم میں بے حد مقبول ہوئیں اور ان میں سے بعض دنیائے عرب کی متعدد یونیورسٹیوں میں شامل نصاب ہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم کی زندگی اور ان کے کارناموں پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کی ایسی منصوبہ بندی کی جس سے زیادہ سے زیادہ اچھے اور نیک اعمال صادر ہوسکیں۔ ان کی تصنیفات، انکی کتابیں اور ان کے مقالات عرصے تک علم کی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کا مشہور قول ہے "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" قاضی صاحب نے اپنے پیچھے ایسا پھل چھوڑا ہے "

جو استعمال سے گھٹنے اور کم ہونے کے بجائے برابر بڑھتا رہے گا۔

قاضی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ دنیا کی یہ زندگی جسم و روح سے مرکب ہے۔ جسم روح کی محتاج ہوا کرتی ہے روح جب تک جسم میں باقی رہتی ہے حیات باقی رہتی ہے جہاں روح جسم سے خارج ہوئی موت واقع ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعد کی حیات جسم کی محتاج نہیں ہے۔ حیاتِ برزخ روحانی حیات کا نام ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیاتِ برزخ ارتقا ہے حیاتِ دنیا کا۔ قاضی صاحب کی موجودہ زندگی مادہ اور جسم کی قید سے چھٹکارا پاکر عالم ملکوت کی طرف شاداں و فرحاں پہنچ چکی اور ہمارے عقیدہ کے مطابق رضائے الٰہی اور قربِ خداوندی کی خاطر یہاں انہوں نے جو کوششیں کی ہیں اس کا اجرانہیں حیات برزخ میں یقیناً مل رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سعی وجہد کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے فضلِ خاص سے ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

کہتے ہیں موتُ العَالِمِ مَوتُ العَالَمِ عالم کی موت عالم کی موت ہے یعنی عالم کی موت کا خسارہ عظیم ہے۔ عوام و خواص کی موت کے فرق کو یہاں سمجھا جا سکتا ہے عالم لوگوں میں جب موت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے اپنے پیچھے بڑی دولت چھوڑی، اس کے بعد اس کی اولاد اور اس کے اہل خاندان اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، یا اس بیچارے کو موقع نہ مل پایا اور اس نے اپنی اولاد کیلئے کچھ نہ چھوڑا اس کی اولاد اب دوسرے کی محتاج ہوگئی۔ اس کے برعکس ایک عالم کی موت کے بعد اس کے چھوٹے ہوئے مال و دولت کا تخمینہ نہیں لگایا جاتا بلکہ اس کے علم و عرفان، مشاہدات و تجربات اور اس کی تحقیقات و تصنیفات کو ترقی اور انسانی سرمایہ سمجھ کر اس کی قدر کی جاتی ہے۔ قاضی صاحب مرحوم کا اصل موضوع "اسلام اور تاریخ اسلام عرب و ہند کے خصوصی حوالے" سے تھا۔ اگرچہ اس خاص موضوع کے علاوہ بھی ان کی بہت سی تحریریں ہیں جنکی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا

ان کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ ہندوستان "عہد فاروقی" سے باقاعدہ اسلام اور مسلمانوں کا گہوارہ رہا ہے اور اس زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کے اعاظم رجال اور اسلامی روایات کا مرکز ہے۔ مگر افسوس کہ ہندی مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے انکو باقاعدہ مدون و مرتب نہیں کیا، خاص طور سے یہاں کی ابتدائی اسلامی تاریخ میں نہ ہونے کے برابر کام ہوا دوسری بات یہ کہ گذشتہ صدی میں مغربی استعمار نے یہاں سے اسلامی روایات و آثار کو علمی اور فکری راہ سے ختم کرنے کی پوری کوشش کی ہی تھی کہ ۱۹۴۷ء میں یہ ملک آزاد ہوا اور کہنے اور لکھنے کے لئے جمہوری ملک بنا، اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے فتنے ابھر آئے اور یہاں کے ایک ایک اسلامی اثر و نشان کو ختم کرنے یا مسخ کرنے کا طوفان چل پڑا اور پوری کوشش جاری ہے کہ مسلمان اپنی قدیم اسلامی روایت و ثقافت سے محروم کر دیے جائیں اور ان کے شاندار ماضی سے ان کا کوئی رشتہ باقی نہ رہے۔"

اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، عرب و ہند عہد رسالت میں، عہد بنی امیہ اور ہندوستان، عہد عباسی اور ہندوستان، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، دیار پورب میں علم اور علماء کے مصنف نے نہایت تحقیق، محنت اور سلیقہ سے اس بات کو ثابت کیا کہ ہندوستان میں مختلف نسلیں، مختلف تہذیبیں اور مختلف مذاہب کے قافلے اور نمائندے آتے رہے۔ ان ہی میں اسلام کے ماننے والوں کا قافلہ اور نمائندے بھی شامل ہے۔ آمد و رفت اور باہمی روابط کا سلسلہ ایک ایسا تاریخی عمل ہے جسے کبھی محدود اور مقید نہیں کیا جا سکتا۔ عرب و ہند کے مابین قدیم تجارتی تعلقات تھے یہاں سے ہر قسم کا عود، صندل، کافور، ناخون، جوزبوا، قرنفل، قاقلہ، کبابہ، نارجیل، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی عرب جاتے تھے۔ ہندی تلوار عربوں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کے کئی نام تھے، سیف ہند، ہندی، مہند، ہندوانی، مہندوانی اور قلعی۔ ہندوستانی نیزے بھی عرب میں مقبول تھے۔ مشک

ہندوستان کی نہایت اہم خوشبو ہے جو یہاں کے مختلف مقامات سے عرب درآمد کی جاتی تھی۔ عود ہندی، کافور (یہ ہندی لفظ کپور کا معرب ہے)، زنجبیل، قرنفل (لونگ، یہ کرن پھول کا معرب ہے۔ فلفل (مرچ)، ساج (ساگوان) قسط (ہندی کٹھ کا معرب ہے) صحیح بخاری میں ایک مستقل باب "باب السعوط بالقسط الہندی البحری وھو الکست" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تم لوگ اس ہندوستانی لکڑی کو خاص طور سے استعمال کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے اور جم کی بیماری میں پلائی جاتی ہے۔ (بخاری کتاب الطب باب السعوط)

یہی روایت صحیح مسلم میں ذرا تفصیل سے درج ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا:

"تم اپنی اولاد کو اس جونک کو لگا کر کیوں ڈراتی ہو۔ تم اس ہندی لکڑی کو استعمال کرو کیونکہ اس میں سات قسم کی بیماریوں سے شفا ہے جن میں جم بھی ہے گلے کی بیماری میں اس کی ناس دی جاتی ہے اور جم میں پلائی جاتی ہے۔

قسط کے علاوہ داذی (ہندی لفظ تاڑی کا معرب ہے کتاب المسالک والممالک کے مطابق جنوبی ہند سے تاڑی عرب جاتی تھی) سندھی مرغی (دجاج سندھی) سندھی مرغا (دیک سندھی) سے بھی عرب واقف تھے۔ یہاں تک کہ سندھی کپڑے، لنگی، چادر، اور کرتا (عرب اسے معرب کرکے قرطق کہتے تھے) عرب میں عام تھے۔

ہندوستانی بعض قومیں عرب میں آباد تھیں مثلاً زط (جاٹ)، میڈ، سیابجہ (سباجہ)، اساورہ، احامرہ، اسادرہ، بیاسرہ، تکاکرہ (ٹھاکر)، ان قوموں کا تفصیل سے تذکرہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب عرب و ہند عہد رسالت میں میں کیا ہے۔ انہوں نے "عرب میں ہندوستانیوں کی بستیاں" کے عنوان سے ایک نہایت دلچسپ، معلوماتی اور مستند مقالہ مذکورہ بالا کتاب میں شامل کیا ہے۔

قاضی صاحب عربی زبان کے بہت اچھے ادیب تھے۔ عربی زبان و ادب اور مستند ابتدائی ماخذ پر ان کی نظر نہایت گہری تھی۔ عربی عبارتوں کا ترجمہ وہ نہایت سلیس اور شگفتہ اردو میں کرتے تھے یہاں بطور مثال صرف لفظ "بابو" کی انکی تحقیق پیش کی جاتی ہے

"عرب میں بابوس اونٹنی کے بچے کو کہتے ہیں، نیز اس کا استعمال گہوارے میں دودھ پیتے انسان کے بچے کے لئے ہوتا تھا، تقریباً اسی دوسرے معنی میں ہندوستان میں چھوٹے بچے کے لئے بابو کا لفظ بولا جاتا ہے، بابو اور بابوس میں حرف آخر میں سین کا اضافہ ہے، نیز عرب میں بچہ باپ کو اور باپ بچہ کو بابا کہتا ہے: لسان عرب میں ہے۔

وقالوا بابا الصبي ابوه اذا قال	علمائے لغت نے کہا ہے کہ جب باپ اپنے بچے
له بابا، و بابا الصبي اذا	کو بابا کہتا ہے یا بچہ اپنے باپ کو بابا کہتا ہے تو
قال له بابا	بابا کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

ہند و عرب کے مابین یہ مشترک لفظ تھوڑے سے مقامی اثر و فرق کے ساتھ حدیث میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حدیث جریج راہب میں ہے کہ

فمسح راس الصبي فقال له يا بابوس	جریج راہب نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے
من ابوك؟ فقال راعي الغنم	بابو تیرا باپ کون ہے اس نے کہا کہ بکری کا چرواہا۔

(بخاری باب الصلوٰۃ)

مولانا فضل اللہ گیلانی شرح الادب المفرد میں لکھتے ہیں۔

البابوس الصغير والرضيع وهو	بابوس کے معنی چھوٹے بچے یا دودھ پیتے
بابو في الهندية۔	بچے کے ہیں اور ہندی زبان میں بھی بابو ہے۔

عہد وسطیٰ کی مشرقی دنیا علمی لحاظ سے ترقی یافتہ تھی۔ اہل علم حجاز سے نکل کر مشرق میں مکران، سندھ، قیقان، قندابیل، قصدار، بوقان، منصورہ، دیبل، ملتان، لاہور اور دہلی کے راستہ الہ آباد، اودھ اور عظیم آباد کے صوبوں میں پھیل رہے تھے۔ اس خطہ زمین میں فرید الدین اودھی، شرف الدین نیری، علاؤ الدین نیلی اودھی، شیخ شمس الدین یحیٰی اودھی

بقیہ ... پر

شبلی کی سوانح نگاری کا ادبی پہلو

از: سرور عالم ندوی
ریسرچ اسکالر
شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ (یوپی)

شبلی اقلیم سخن کا وہ شہنشاہ ہے جسکی کشور کشائی ہر فن اور ہر موضوع پر یکساں نظر آتی ہے، جس نے اپنے اشہب خامہ کا رخ علم و فن کی جس وادی کی طرف پھیرا وہاں اپنی فتح و کامرانی کا پرچم لہرا دیا، جسکے طائر تخیل نے کبھی فلسفہ و تاریخ کی خشک و سنگلاخ وادیوں پر پرواز کی تو کبھی تحقیق و تنقید کے کوہساروں پر سایہ فگن ہوا، کبھی چمنستان شعر و ادب کو اپنا آشیانہ بنایا تو کبھی قوموں کی شکست خوردگی احساس کمتری اور زبوں حالی کو دور کرنے کیلئے ہما کا روپ اختیار کیا اور جس کوچہ سے پرواز کی اسے گلزار براہیمی کا ہمسر بنا دیا، جس فن پر قلم اٹھایا اسے اس فن کا مقدس صحیفہ قرار دیا گیا۔

لیکن خاص طور سے جب اس نے مڑ کر اپنی قوم کی خستہ پائی پریشاں حالی اور ان سب سے بڑھکر غدر ۱۸۵۷ء میں شکست خوردگی کے بعد احساس کمتری کو دیکھا تو خون کے آنسو بہا دیئے اور انکی اصلاح و درستگی کی فکر کی، عزم و حوصلہ کا درس دیا اور تاریخ اسلام کی باوقار شخصیتوں اور اسلاف کی سوانح عمریوں کو اس مرض کا علاج تصور کیا، اور اسکے لئے انہیں کبھی ایوان شاہی کا طواف کرایا تو کبھی عظمت و جلال کے کوہ گراں کی سیر کرائی، کبھی ارباب قلب و نظر کی خانقاہوں سے گزارا تو کبھی علماء اور فقہاء کی بابرکت اور پرنور مجلسوں میں جا بٹھایا، کیونکہ

انکا عقیدہ یہ تھا کہ "دوسری قوموں کی ترقی یہ ہے کہ آگے بڑھتے جائیں آگے بڑھتے جائیں لیکن مسلمانوں کی ترقی یہ ہے کہ وہ پیچھے ہٹتے جائیں پیچھے ہٹتے جائیں یہاں تک کہ صحابہ کرام کی صف سے جا ملیں" لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

یہی وہ نظریہ تھا جس کی وجہ سے ان کے قلم گوہر بار اور علم و تحقیق کے دو شہسوار نے عباقرۂ روزگار کے لافانی کارناموں کا مرقع بنا کر اس سے احساس کمتری کی شکار قوم کو آراستہ کر دیا، کیونکہ سوانح نگاری کے سلسلہ میں وہ کارلائل کے اس نظریہ کے حامی تھے کہ "تاریخ غیر معمولی شخصیتوں اور ناموروں کے غیر مختتم کا نام ہے"

The history of the world is but -
The biography of great men

یہی وجہ ہے کہ انکی نظر انتخاب تاریخ اسلام کے ان ماہ پاروں پر پڑی جنکی ضیا پاشیوں نے اس پوری کائنات کو بقعۂ نور بنا دیا ہے، اور الفاروق، المامون، سیرۃ النعمان، الغزالی اور سوانح مولانا روم جیسی شہرۂ آفاق سوانح عمریاں وجود میں آگئیں۔

مہدی حسن نے کہا تھا کہ غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی اردوے خاصہ کی داد دیتے، لیکن شبلی کی اردوے خاصہ کی داد ایک غالب ہی سے کیوں چاہیئے۔ آج اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مولانا شبلی کی اس خدمت کا جو انہوں نے اردو کو حیات جاوید بخش کر کی ہے ہر شخص اسکو معترف ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ قلم کا مسافر جس راہ سے بھی گزرا۔ زبان و ادب کے لعل و گہر لٹاتا چلا گیا، بزم شعر و سخن میں قلم کی رنگینی اور طبیعت کی جولانی کا پیدا ہونا تو ممکن ہے کیونکہ شعر و ادب کی محفل میں حسن تحریر اور لطف انشاء کا ظہور آسان ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں تخیلات کی حکمرانی اور مبالغہ کی فراوانی کی پوری گنجائش ہوتی ہے، لیکن

تاریخی اور سوانحی واقعات کے بیان میں شوخی تحریر اور حسن ادا کو برقرار رکھنا شاخ آہو پر آشیانے کے خواب سے کم نہیں، اس لئے کہ اس میں مقصود واقعہ کا اظہار ہوتا ہے۔

لیکن شبلی کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی سوانحی کتابوں میں بھی موضوع کی ندرت مواد کی کثرت اور تحقیقات کی وسعت کیساتھ زبان و بیان کی حلاوت و لطافت الفاظ و تراکیب کی جدت و نزاکت، استعاروں اور کنایوں کی صولت و سطوت اور تشبیہات و تمثیلات کی رونق و شوکت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، اور ہر گام پر زبان و ادب کے ایسے بلند و بالا قلعے تعمیر کرتے چلے جاتے ہیں۔ جنکی طرف نگاہ التفات سے بھی دل کانپنے اور حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اقلیم سخن کا شہنشاہ تاریخ و سوانح نگاری کی خشک و سنگلاخ وادی کو بھی زبان و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال اور لالہ زار کرتا جاتا ہے اور اچھوتے پن، شائستگی، اظہار اور جوش بیان اسکی شوکت و جلال کے آگے سرنگوں ہوتے جاتے ہیں۔

اور انہوں نے اپنے اسی مخصوص طرز تحریر کی بنا پر اپنے تمام متقدمین و معاصرین میں منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا ہے، جس کا اعتراف نہ صرف یہ کہ ان لوگوں نے کیا ہے جن پر مدلل مداحی کا الزام ہے بلکہ ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو دیانتداری اور غیر جانبداری کے علمبردار ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے تحریر کیا ہے کہ فن سوانح نگاری میں ہمارے دوسرے ممتاز مصنف شبلی ہیں جو سوانح نگار ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ مورخ بھی ہیں انکی نثر حالی کے مقابلہ میں زیادہ متنوع ہے اور سوانح نگاری میں ان کا رنگ حالی کے رنگ سے جدا ہے

اسی طرح ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور لکھتے ہیں کہ "باوجود مولوی ہونے

کے انہوں نے مذہبی موضوعوں کیلئے بھی دلکش اور پاکیزہ اسلوب بیان اختیار کیا تاریخ تذکرہ سوانح اور تصوف جیسے متضاد مباحث پر لکھتے وقت بھی انہوں نے ادبیت کا لحاظ رکھا ہے، اگرچہ اس التزام کے باعث بعض جگہ انکی تحریریں کچھ مضحکہ خیز ہوگئی ہیں مگر حالی اور ذکاء اللہ کیطرح گراں اور بوجھل نہیں ہونے پائیں اور بقول خواجہ حسن نظامی مبالغہ کی رنگینی سے انکا قلم محفوظ رہتا ہے وہ سادہ نگاری میں بھی ایسی دبی ہوئی شوخیاں لکھ جاتے ہیں کہ انسان گھنٹوں مزے لیا کرے۔

موقع اور محل کے اعتبار سے الفاظ کا انتخاب جو بلاغت کی روح اور فصاحت کی جان ہے شبلی کا وصف خاص ہے، وہ اپنے مخصوص انداز بیان سے ایسا نقشہ کھینچتے ہیں گویا قاری کو تھوڑی دیر کے لئے اسی ماحول میں لے جاکر کھڑا کر دینے کے خواہاں ہوں، مثلاً مامون الرشید عباسی کی سوانح لکھتے ہوئے جب قاری کو زبیدہ اور ہارون کے الف لیلوی فضاؤں میں لے جاتے ہیں تو انکا قلم محل کے حسن و رعنائی اور دلکشی و زیبائی دیکھکر بہکنے لگتا ہے، لکھتے ہیں۔
بزم عیش میں وزنانہ وضع سے بیٹھتا ہے بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں، پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے، دور شراب چل رہا ہے، گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں اور یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے ہیں
لیکن وہی قلم جب اپنے ہیرو مامون کی عقیدت سے سرشار ہوکر چلتا ہے تو اسکی سبک خرامی باد صبا کی حریف بن جاتی ہے، اور لکھتا ہے ———
اسلام کو آج تیرہ سو برسوں سے کچھ اوپر ہوتے اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گزرا و فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا، افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اسکو خلفاء و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری ایام العرب، ادب، فقہ، فلسفہ کونسی بزم ہے جہاں فخر و شرف کے

ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا

ایجاز جو ادب کی جان ہے جب اسکی تقدیر شبلی کے قلم سے وابستہ ہوجاتی ہے تو یہ تحریر وجود میں آتی ہے ——— مامون کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ ہیں کہ تمام خلفائے بنی عباس میں کوئی تخت نشین دانائی، عزم، بردباری، علم، رائے، تدبیر، شجاعت، عالی حوصلگی اور فیاضی میں اس سے افضل نہیں گزرا، مامون کا ادعا کچھ بیجا نہیں کہ معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا عبد الملک کو حجاج کا اور مجھکو اپنا

لیکن وہی شبلی جب مامون کے بستر مرگ کے قریب کھڑے ہو کر نزاع کی کیفیت ضبط تحریر میں لاتے ہیں تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ کیف و نشاط کا پردہ رده غم و اندوہ کی آغوش میں کروٹیں لے رہا ہے، ——— مثلاً اس نے نہایت حسرت سے آسمان کیطرف دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اسی حالت میں خدا نے اسکی زبان کھولدی وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی اس پر رحم کر جسکی سلطنت زائل ہو رہی ہے، اسی پر اس کے نفس واپسیں نے الوداع کہا اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی

اسی طرح سیدنا عمر فاروق کی حیات میں انکا انداز یکسر بدلا نظر آتا ہے اور حضرت عمر کے رعب و دبدبہ کی جھلک انکی تحریر سے عیاں ہونے لگتی ہے اور دنیا بالکل بھول جاتی ہے کہ وہ سوانح عمری پر کوئی تصنیف نہیں بلکہ عظمت و جلال کی داستان پڑھ رہی ہے، مثلاً وہ لکھتے ہیں ——— دنیا میں جس قدر حکمراں گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا، سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا، اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے، عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست و بازو پر بل تھا

جنگ قادسیہ کے تذکرے میں میدان کارزار کا کروفر اور عونت و سطوت کی حکمرانی انکے قلم میں تحلیل ہو کر اس طرح ظہور میں آتی ہے —— ادھر ابیل وجمال نے اجرت پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اسکے پیچھے ہوئے اور دم کے دم میں سیاہ بادل چھٹ گیا، بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گونج سے زمین دھل دھل پڑتی تھی[۱۱]

لیکن ابو حنیفہ کی حیات زندگی میں مذکورہ انداز بیان کے بجائے غایت درجہ وقار و متانت نظر آتی ہے اور قلم کی آب و تاب مختلف سانچوں میں ڈھل کر الگ روپ اختیار کر لیتی ہے اور امام کی زندگی کی مختلف شکلوں کی ترجمانی اس انداز میں کرنے لگتا ہے کہ قاری تھوڑی دیر کیلئے دوسری صدی ہجری کی علمی فضاؤں میں محو ہو جائے، حالات اور موضوع کے اعتبار سے الفاظ و تراکیب کا انتخاب شبلی کا خاص وصف ہے مثلاً حلیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں —— امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا، میانہ قد، خوش رو اور موزوں اندام تھے[۱۲]

شبلی چاہتے تو وفات کے تذکرے میں دردناکی و سفاکی کی تصویر کھینچ کر رکھ سکتے تھے لیکن سراپا غم و الم کی تصویر جن کریوں رحم کرتے ہیں —— عبداللہ بن مبارک کی زبان میں ابو حنیفہ خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے، افسوس تم نے دنیا میں اپنا جانشین نہیں چھوڑا[۱۳]

الغزالی اور سوانح مولانا روم میں بھی یہی لطافت بیان اور حسن عبارت کی جلوہ کاریاں انکے قلم کی معجز بیانیاں اور فن و ادب کی رنگا رنگیاں قدم قدم پر بکھری پڑی ملتی ہیں، جس کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح شاعر قافیہ اور ردیف کے تکرار سے اپنے اشعار میں نغمگی اور آہنگ پیدا کر کے شعر کو خوش رنگ بنا دیتا ہے

اسی طرح شبلی نے اپنی ان دونوں تصنیفات میں اپنے ہیرو کی امتیازی خصوصیات کا اعادہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے کر کے اس میں حسن پیدا کر دیا ہے، جس کے مطالعہ سے بے ساختہ زبان سے واہ نکل جاتی ہے۔

سوانح مولانا روم میں ارباب صحبت کے تذکرے میں لکھتے ہیں —— یہی زمانہ تھا جس میں تاتار کا سیلاب اٹھا اور دفعتاً اس سرے سے اس سرے تک پھیل گیا سیکڑوں ہزاروں شہر اجڑ گئے، کم از کم ۹۰ لاکھ آدمی قتل کر دیئے گئے، سب سے بڑھ کر یہ کہ بغداد جو تاریخ اسلام کا تاج تھا اس طرح برباد ہوا کہ آج تک سنبھل نہ سکا[۱۴]

شمس تبریز کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ شمس کی ملاقات سے پہلے مولانا کے شاعرانہ جذبات اسی طرح انکی طبیعت میں پنہاں تھے جس طرح پتھر میں آگ ہوتی ہے، شمس کی جدائی گویا چقماق تھی اور شرارے انکی پرجوش غزلیں[۱۵]

غرض زبان و ادب کی نہر سلسبیل شبلی کی تمام سوانحی کتابوں میں اسی طرح غلطاں اور پیچاں نظر آتی ہے، جس کو پڑھکر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کاروان علم و ادب کا کوئی مسافر قافلہ سے بچھڑ کر دور سنسان و ویران صحرا میں اپنی مخصوص حدی خوانی کے ذریعہ ایک نئے قافلہ کی تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ ایسا قافلہ جو (۱) غیر معمولی انسانوں کی تاریخ رکار ڈ کرے (۲) جس کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ ایک آرٹ کی تخلیق کر رہا ہے (۳) جو اپنے انداز بیان، محاورے اور استعاروں کے ذریعہ سوانح نگاری میں زندگی پیدا کر دے ایسی زندگی جو سوانح نگاری کے لئے حسن بیکراں بن جائے، کہ یہی وہ خصائص ہیں جو شبلی کی سوانح نگاری میں مجسم اور متحرک نظر آتے ہیں اور وہ اپنے جدید کاروان علم و فن میں اسی کو پیدا کرتے اور پروان چڑھانے کے خواہاں بھی تھے۔

حوالہ جات

[۱۶] حیات شبلی ص ۲۹۰ (۲) [۱۶] حیات شبلی ص ۳۷

بقیہ ص [illegible] پر

لکھ رہا ہوں جنوں میں میں کیا کیا

ابو اللسان لغوی

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی

بمبئی کو ممبئی کے مقابلے میں عروس البلاد کہنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ مگر معدودے چند لوگوں کے شاید ہی کوئی اسے اس نام سے پکارتا ہو۔ غالباً اسی وجہ سے اچھے لوگوں کی تعداد دنیا میں کم ہے۔ اچھا لگنے نہ لگنے کا تعلق براہ راست دل سے ہے۔ اور دل کا معاملہ عجیب ہوتا ہے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ اسے کون سی چیز کب اچھی لگ جائے۔ سنا ہے لیلیٰ باوجود کالی ہونے کے مجنوں کو کافی اچھی لگتی تھی۔ یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ کالی چیزیں اچھی نہیں ہوتیں۔ زلفیں اگر کالی نہ ہوتیں اور آنکھوں کی سیاہی اگر معدوم ہوتی تو شاید ہمارے شعراء کو گھاس چھیلنی پڑتی۔ ویسے لیلیٰ مجنوں کے اس عشق میں غلطی اس چھاچھ کی ہے۔ جسے مانگنے لیلیٰ مجنوں کے گھر گئی تھی۔ چھاچھ ہی کے ذریعہ نظروں کا تصادم ہوا اور دل نے عشق کی راہ پکڑی۔ ہمارا عروس البلاد کی راہ پکڑنے میں بھی کوئی علت ضرور ہے مگر اس کا ذکر غیر ضروری ہے۔

سفر میں اچھے افراد کی معیت یقیناً اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے۔ اس کا احساس مجھے اس سفر میں ہوا۔ محترم حکیم عبد الرؤف صاحب باوجود اس کے کہ وہ جماعت اسلامی کے ہیں ایک اچھے رفیق سفر ثابت ہوئے۔ گفتار و کردار اور نشست و برخاست ہر ادا سے حد درجہ خوشی ہوئی۔ آپ کے ساتھ کبھی بوریت نہیں ہوئی۔ آپ مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک ہیں اور بوڑھاپے کی اس عمر میں اب بھی وہ نوجوانوں کے باپ ہیں باپ تو ویسے بھی وہ سب کے ہیں کہ ہر خاص و عام انہیں "ابا" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ادھر دوسری طرف مولوی بڑ بڑ ہیں۔ اسم با مسمّی کبھی چین سے نہیں بیٹھتے۔ پورا دماغ چاٹ

جاتے ہیں۔ عافیت تھی کہ حکیم صاحب اس سفر میں ساتھ تھے ورنہ میں باوجود حد درجہ رقیق القلب ہونے کے مولوی بڑ بڑ کو ٹرین کی کھڑکی سے باہر پھینک دیتا۔ اب دیکھئے نا دسمبر جیسے مہینے میں وہ کالا چشمہ لگا کر آنکھیں سکا رہے تھے۔ میرا تو خون کھول گیا مگر حکیم صاحب نے معاملے کو ٹھنڈا کر دیا۔ انہوں نے مولوی بڑ بڑ کو مخاطب کر کے کہا ایک شعر آپ کی نظر ہے ۔۔

اپنی نظروں کی تیزی کو روکو ذرا ۔۔۔ ورنہ عینک کا شیشہ پگھل جائیگا
عاشقوں کا اٹل ہے یہی فیصلہ ۔۔۔ کام سرمہ لگانے سے چل جائیگا

روداد سفر لکھنے کا مجھے شوق ہے نہ سلیقہ۔ اب دیکھئے نا ان ساری بسوں اور ٹرینوں کا نمبر مجھے یاد نہیں کہ جس پر میں سوار ہوا تھا۔ ذکر کرتا تو شاید لوگوں کو خاطر خواہ فائدہ ہوتا۔ اسی طرح مجھے ان لوگوں کی پیدائش اور وفات کا کوئی علم نہیں ہے کہ جن سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وفات کا علم تو خیر ہونا ناممکن ہے البتہ پیدائش کا علم ہو سکتا تھا۔ جس کے ذکر پیدائش سے لوگوں کو کیا کچھ عبرت پہنچتی۔ نہ جانے کیسے سفرنامہ لکھنے والے لوگوں سے ان کی پیدائش کے بارے میں پوچھ بیٹھتے ہیں۔ خواتین کے ساتھ بھی یہ لوگ یہی سلوک کرتے ہوں گے۔ مگر بقول ایک ماہر حکیم کے عورتوں سے انکی عمر اور مردوں سے انکی تنخواہ نہیں پوچھی جاتی۔ اللہ بہتر جانے معاملہ کیسے نپٹایا جاتا ہے۔ حکیم صاحب سے تو میں انکی سن پیدائش پوچھ لوں گا کہ وہ برا نہیں مانیں گے۔ مگر مولوی بڑ بڑ شاید وہ باوجود شدید خواہش کے اپنی سن پیدائش نہ بتا سکیں۔ وجہ کچھ تو حافظہ کی کمزوری ہے۔ اور کچھ غیر سنجیدہ لوگوں کی صحبت۔ صحبت کا بھی عمر پر اثر پڑتا ہے۔ صحبت اگر اچھوں کی ہے تو عمر یقیناً زیادہ معلوم ہوگی اور اگر بروں کی ہے تو لازماً کم ہو جائیگی۔ ان سب کے باوجود بھی لوگ مجھ سے تقاضا کرتے ہیں کہ میں سفرنامہ لکھوں۔ یوپی کا جامعۃ الفلاح ہو یا بہار کا رانچی۔ مہاراشٹرا کا ممبئی ہو یا کرناٹکا کا بنگلور تقریباً ہر جگہ لوگ کالم کو جاری رکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میں بھی سمجھ جاتا ہوں کہ ملک میں جمہوریت ہے۔ اور کرنا وہی چاہیے جو عوام کی مرضی ہو ورنہ بات احتجاج اور جلوس

تک پہونچ جاتی ہے۔ پھر وہاں معقولیت کا جنازہ نکلتا ہے اور نامعقولیت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور ہر ایسے موقع کیلئے یہ مصرعہ کام آجاتا ہے کہ ؎ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔

لکھنؤ سے بمبئی کے لئے پشپک سپر فاسٹ ایکسپریس میں ہمارے لئے سیٹیں قبل از وقت ریزرو ہو چکی تھیں۔ ٹرین کے وقت سے کافی پہلے ہم روانہ ہوئے کہ ہماری رہائش گاہ سے اسٹیشن کی مسافت نصف گھنٹے سے زیادہ نہیں، سائیکل رکشہ کے بجائے موٹر رکشہ میں ہم بیٹھے کہ مسافت اور سمٹ جائے مگر مسافت کے بجائے رکشہ ہی سمٹ گیا دو قدم چل کر وہ جم گیا۔ راستہ بری طرح جام تھا۔ پتہ چلا کہ یہ جام وہ جام نہیں کہ جسے غٹاغٹ حلق میں انڈیل کر چھٹی کر لی جائے بلکہ مسلسل گھنٹوں جاری رہے گا۔ ہم رکشہ سے تیزی سے باہر آئے کہ دوسرے راستے سے اسٹیشن پہونچیں۔ وقت بھی کم ہوتا جا رہا تھا، دیر تک پیدل بھی چلے مگر کوئی سائیکل رکشہ تک ہمیں نہ ملا، ہمارا حال کرکٹ کے اس میچ جیسا تھا کہ جیتنے کیلئے بال کم ہوں اور رن زیادہ بنانے ہوں۔ خیر کسی طرح رکشہ بھی ملا۔ ہماری نظر گھڑی پر تھی جو پتہ نہیں کیوں اس وقت بڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی۔ سکینڈ کی سوئی اچھل اچھل کر منٹ بنا رہی تھی۔ ادھر رکشہ والا غیر فطری رفتار کی انتہا پر تھا۔ ہم نے اس سے درخواست کی کہ میاں رکشہ تھوڑا اور تیز کرو ورنہ ہماری ٹرین چھوٹنے والی ہے۔ ہماری درخواست کا اثر بالکل فطری ہوا رفتار اور دھیمی ہو گئی مجھے وہ روایتی اصول یاد آگیا کہ دھوبی سے گدھے پر چڑھنے کیلئے کہو تو ہرگز نہیں چڑھتا۔ ویسے اپنی مرضی سے کود کود کر چڑھتا ہے رکشہ والے نے کہا میاں ہم انجن تھوڑی ہو جائیں گے۔ رکشہ کھینچنے میں محنت لگتی ہے۔ ہم خاموش ہو گئے کہ مبادا رکشہ والا معذرت کرنے کی نذر کر بیٹھے کہ اسے ہماری کمزوری کا علم ہو گیا تھا دور جدید میں کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا جمہوریت کی معراج ہے۔

ہمارے دائیں بائیں رکشے والے نکلتے جا رہے تھے۔ اور ہم گھڑی پر نظریں جمائے دل دبائے بیٹھے تھے۔ اسٹیشن کی عمارت نظر آئی تو ٹرین چھوٹنے میں غالباً صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ رکشہ والے کی خدمات اگر جاری رہتیں تو یقیناً ہم ٹرین سے ہاتھ

دھو بیٹھتے۔ مجبوراً ہم رکشہ سے کود پڑے اور تقریباً دوڑتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہونچے۔ ٹرین چھوٹنے میں تقریباً دو منٹ باقی تھے سگنل ہو چکا تھا اور ٹرین کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں وقت کی قدر کا احساس ہمیں اس وقت زیادہ ہوا کاش کہ اس احساس کو دوام نصیب ہو جاتا۔

سفر کے دوران تو بہت سارے واقعات پیش آئے مگر ایک واقعہ آج تک تازہ ہے رات تقریباً ساڑھے تین بجے کسی مقام سے نوجوانوں کا ایک گروپ سوار ہوا۔ وہ ٹرین پر چڑھتے ہی لوگوں کے سروں پر سوار ہو گیا۔ اتنا ہنگامہ مچایا کہ لوگوں کی نیند خراب ہو گئی پھر وہاں سے آگے ٹرین پہونچی تو ان لڑکوں نے نعرہ بازی شروع کر دی اور اس وقت کہا جب جے شری رام کا نعرہ لگا۔ پتہ چلا کہ یہ سب بی جے پی کے مہا ادھیویشن میں شرکت کیلئے بمبئی جا رہے ہیں۔ جوان تو بہت سارے دیکھے مگر انہیں دیکھ کر جوانی کا اصل مصرف سامنے آیا غنڈہ گردی و طوفان بدتمیزی ہی تو جوانی کی اصل معراج ہے۔ ظلم و زیادتی اور دھونس دھاندلی کے ذریعہ طاقت کا اظہار گر جوانی میں نہ کیا جائے تو آخر اس کا وقت کب آئے گا۔ یہ سب وہاں موجود تھا۔ دوسری طرف اس ٹرین میں جماعت اسلامی کے نوجوان بھی تھے عورتوں کو دیکھ کر وہ نظریں ایسی نیچی کر لیتے جیسے وہ انہیں ڈس لیں گی۔ سیٹ پر کوئی خاتون بیٹھ جاتی تو سمٹ کر کونے میں چلے جاتے۔ گویا عورت نہیں کوئی درندہ ہو۔ ٹرین رکتی تو آس پڑوس کے مسافروں کیلئے پانی بھر لاتے۔ گویا خود زر خرید غلام ہوں کھانا کھانے بیٹھتے تو پاس کے مسافروں کو کھانے کیلئے اس طرح پوچھتے جیسے یہ ان کے کرایہ دار ہوں۔ میں سوچنے لگا کہ آخر اب کون رہے گا۔ جماعت اسلامی کے یہ سیدھے نوجوان یا بی جے پی کے نڈر اور بہادر جیالے۔

مہا ادھیویشن کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ نظم و انتظام میں کمی کی باعث اسے وقت سے پہلے ہی ختم کر دینا پڑا گندگی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بیماری پھیلنے کا خطرہ

بقیہ صفحہ ۵۹ پر

دوسری اور آخری قسط

وضاعین حدیث اور وضع حدیث کے اسباب

ڈاکٹر محمد سلیم (فاضل دیوبند)
شعبہ دینیات (سنی) مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ (یوپی)

"..... اسی طرح احمد بن یعقوب عبدالملک کے پاس کھانے کے موقع پر حاضر تھا کھانے سے فراغت کے بعد خربوزہ لایا گیا تو احمد بن یعقوب نے کہا۔

بطیخ قبل الطعام یغسل البطن غسلا و یذھب الداء اصلاً۔[39]

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے قبل خربوزہ پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماری کو ختم کر دیتا ہے)

قصاص (واعظین) اور وضع حدیث

وضاعین حدیث میں سب سے خطرناک قسم ان بے دین قصاص کی ہے جنہوں نے اس پیشہ کو کمائی کا ذریعہ بنایا۔ یہ لوگ حدیث کے نام پر طرح طرح کی عجیب وغریب حکایتیں اور محیر العقول قصے کہانیاں سنا کر لوگوں کے دلوں کو تفریح کا سامان مہیا کرتے تھے جنہیں عوام بڑی دلچسپی سے سنتے۔ جس سے نہ صرف ان واعظین کی خاصی کمائی ہو جاتی بلکہ عوام میں عزت اور شہرت بھی پاتے۔

ابتداء میں جب قصہ وغیرہ بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا اہل علم اسے برا نہیں سمجھتے تھے۔ اس وقت قصص بیان کرنے کا مطلب عوام کو دورِ نبوی اور صحابہ کے ایمان افروز واقعات اور سچے حوادث سنا کر لوگوں کے ایمان کو تازہ کرنا اور ان میں نیکی اور سچائی کے جذبات کو برانگیختہ کرنا مقصود ہوتا تھا۔ ایسے قصص بیان کرنے والوں کو حکومت وقت بھی اجازت دیتی تھی۔ دورِ بنو امیہ میں خاص طور پر حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں حضرت کعب اور ان جیسے دوسرے

نیک اور پرہیزگار لوگوں کو عوام میں قصص بیان کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔[40]
اسی طرح دورِ خلافت عبدالملک بن مروان مسلم فوج میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سپاہ کا دل بڑھانے اور ان میں جوشِ ایمانی پیدا کرنے کیلئے سلف صالحین کی جانبازی اور شجاعت و بہادری کے سچے واقعات سناتے تھے۔[41] لیکن بعد میں جب لوگوں نے ان قصاص اور واعظین میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی اور قصاص کو معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تو بعض جاہلوں نے بھی دنیوی عزت و جاہ کی حرص میں اس پیشہ کو اختیار کرنا شروع کر دیا۔ دھیرے دھیرے ان جاہل واعظین کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور رفتہ رفتہ یہ لوگ اسلامی سلطنت کے مختلف شہروں میں پھیلتے چلے گئے اور وہاں کی مساجد اور گلیوں اور کوچوں کو اپنے وعظ و نصیحت کا مرکز بنایا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب تابعین کو نبی کی باتیں اور دورِ اول کے حالات جاننے اور سننے کا بیحد شوق تھا۔ قصاص نے وقت سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے رسولؐ کے نام پر صحیح اور غلط روایات اور بے اصل واقعات بیان کرنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ جاہل قصاص بھی عوام کی توجہ کا مرکز بننے لگے اور سماج میں انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں عوام میں ان قصاص کا اثر و رسوخ ہو گیا اور لوگ ان کے اس قدر عقیدت مند ہو گئے کہ انہیں فقہاء و محدثین پر فوقیت دینے لگے۔ ابن جوزی نے بیان کیا کہ کوفہ کی مسجد میں زرعہ نامی ایک قصہ گو رہتا تھا۔ امام ابو حنیفہ کی والدہ کو ایک مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی جسے امام ابو حنیفہ نے بتا دیا تھا لیکن انکے جواب سے انہیں اطمینان اور تشفی حاصل نہیں ہوئی اور جا کر وہی مسئلہ زرعہ سے دریافت کیا۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو امام ابو حنیفہ نے دیا تھا تب انہیں اطمینان ہوا اور تسلی خوشی گھر واپس آگئیں۔[42]

عام طور پر قصاص جب کوئی حدیث یا واقعہ بیان کرتے تو اس میں ایک جھوٹی سند بھی لگا لیتے۔ جس میں اس زمانے کے مشہور ائمہ و محدثین کے اسماء شامل ہوتے۔ چنانچہ امام ابو عبداللہ الحاکم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے ایک مسجد میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا اور اس نے اولاً ایک سند بیان کی جس میں امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین کے اسماء بھی شامل کئے اور سلسلہ سند کو نبیؐ تک پہونچا دیا۔ اس کے بعد حدیث بیان کرنی شروع کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار لاالہ الااللہ کہتا ہے ان میں ہر ایک کلمہ کے بدلے ایک چڑیا پیدا کیجاتی ہے جسکی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تقریباً بیس صفحہ کی حدیث سنا ڈالی۔ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین روایت سن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور پوچھا کہ یہ حدیث کس نے بیان کی۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ یحیٰی بن معین نے کہا کہ میں نے نہیں بیان کی۔ جب وعظ ختم ہوا تو یحیٰی بن معین نے واعظ کو بلایا۔ واعظ پیسوں کے لالچ میں فوراً حاضر ہوا۔ یحیٰی بن معین نے واعظ سے پوچھا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی۔ اس نے کہا یحیٰی بن معین اور احمد بن حنبل نے۔ یحیٰی نے کہا میں یحیٰی ہوں اور یہ احمد۔ لیکن ہم نے تو یہ حدیث کبھی نہیں سنی اور نہ بیان کی۔ اس پر واعظ نے کہا کہ اب تک میں سنتا چلا آرہا تھا کہ یحیٰی بن معین بڑے احمق ہیں مگر وہ بات آج ثابت ہو گئی۔ یحیٰی نے پوچھا کہ وہ کیسے۔ واعظ بولا کہ تمہارے سوا دنیا میں کسی اور کا نام یحیٰی اور احمد نہیں۔ میں نے تو یحیٰی اور احمد نام کے سترہ لوگوں سے احادیث نقل کیں ہیں[۴۳]

ان قصاص کو اگر کسی حدیث کا ایک ٹکڑا بھی مل جاتا تو اسے پوری حدیث بنا دیتے ابوالولید الطیالسی کہتے ہیں کہ میں ایک بار شعبہ کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک نوجوان آیا اور اس نے حدیث معلوم کرنی چاہی۔ شعبہ نے اس سے

پوچھا کہ کیا تو قاص ہے اس نے کہا۔ ہاں۔ شعبہ نے کہا کہ چلے جاؤ ہم تم سے حدیث نہیں بیان کرتے۔ ابوالولید نے شعبہ سے اس کی وجہ دریافت کی شعبہ نے فرمایا۔

یاخذون الحدیث منا شبرا فیجعلونہ ذراعاً[۴۴]

(ہم سے ایک بالشت حدیث لیجاتے ہیں اور اسے بڑھا کر ایک ذراع کر دیتے ہیں) انہیں تمام حرکتوں کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ قصاص کو مسجد سے بھگاتے تھے اور جب وہ سید ھی طرح نہیں مانتے تو پولیس کی مدد سے باہر نکلوا دیتے تھے[۴۵]

حضرت انس بن مالک نے مسجد نبوی میں قصاص کا داخلہ بالکل بند کر دیا تھا[۴۶]

حجاز میں انکی تعداد نسبتاً بہت تھوڑی تھی مگر عراق کے شہروں میں یہ لوگ بڑی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنے اپنے علاقہ کی حد بندی کر رکھی تھی اور ہر قاص نے اپنے اپنے حلقے سنبھال رکھے تھے۔

عوام میں جب قصاص کا غلبہ بہت زیادہ ہو گیا تو عباسی خلیفہ کیطرف سے بغداد کی گلیوں میں سنہ ۲۷۹ھ میں یہ اعلان کرا دیا گیا کہ کوئی بھی قاص (واعظ) نجومی یا فلسفہ کی کتابیں بیچنے والا مسجد میں۔ یا کہیں اور دکھائی نہ دے[۴۷] اس کے بعد دوبارہ پھر یہی اعلان سنہ ۲۸۴ھ میں کرایا گیا[۴۸] لیکن انکی تعداد اگرچہ کم ہو گئی مگر یہ بالکل پھر بھی نہ ختم ہو سکے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ واعظین عام طور پر صحیح و غلط روایات بیان کرنے میں آج بھی زیادہ احتیاط نہیں کرتے۔

زہاد و صوفیا اور وضع حدیث

خلافت راشدہ کے بعد سیاسی لڑائی جھگڑے کے نتیجہ میں جب لوگ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے تھے اس وقت بہت سے ایسے بھی لوگ تھے جو مسلمانوں میں اس فرقہ بندی کے خلاف تھے۔ اولاً تو اس جماعت نے مسلمانوں

کی ایسی مخاصمت کو مٹانے کیلئے ایسی حدیثیں وضع کیں جن سے آپسی اختلافات کم ہو سکیں اور تمام مسلمان متحد ہو سکیں مگر جب یہ صورت ناکام ہو گئی تو اس طبقہ نے عوام کو آخرت کی طرف توجہ دلانے کیلئے ترغیب وترہیب کا راستہ اختیار کیا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو اعمال صالحہ کیطرف رغبت ہو اور وہ برائیوں سے باز آسکیں [۴۹]

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس جماعت نے آخرت سے غافل انسانوں کیلئے بوقت ضرورت حدیثیں بھی وضع کرنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے فضائل اعمال اور فضائل قرآن کے باب میں موضوع حدیثوں کے دفتر کے دفتر تیار کرائے۔ چنانچہ حضرت امام مالک بن انس نے انہیں لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے مسجد نبوی کے ستونوں کے پاس ستر راویوں کو پایا مگر ان سے حدیث ایک بھی قبول نہیں کی اگر ان کو بیت المال کا امین بنا دیا جاتا تو وہ امانت دار ثابت ہوتے مگر وہ اس عظیم کام کے اہل نہ تھے [۵۰]

اس طبقہ کے متعلق حضرت یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ میں ایک لاکھ دینار کی امانت کیلئے جس آدمی کو صحیح سمجھتا ہوں ایک حدیث کیلئے اسے امین نہیں سمجھتا [۵۱]

ذخیرہ حدیث میں موضوعات کا ایک بڑا حصہ انہیں جاہل زہاد وصوفیا کے واسطے سے داخل ہوا۔ جسے انہوں نے عند اللہ ماجور ہونے کی نیت سے لوگوں کی اصلاح کی خاطر گھڑا تھا جنھیں عوام نے محض دیندار ہونے کی وجہ سے انکی باتوں کو بغیر کچھ سوچے سمجھے اور تمیز کے قبول کر لیا۔ چنانچہ حافظ ابن صلاح نے فرمایا۔

اعظمهم ضرراً قوم من المنسوبين الى الزهد وضعوا الاحاديث احتسابا [۵۲]

(حدیث کے باب میں سب سے زیادہ نقصان ایسے لوگوں سے پہونچا جو زہد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے حدیثوں کو ثواب کی نیت سے وضع کیا)

انہیں وضاعین میں غلام خلیل بھی تھا جب اس سے ان احادیث کی بابت

دریافت کیا گیا جنہیں وہ رقائق کے باب میں بیان کرتا تھا تو اس نے کہا۔

وضعناها لنرقق بها قلوب الناس [۵۳]

(ہم نے انکو لوگوں کے دلوں کو نرم کرنے کیلئے وضع کیا۔)

ابن جوزی نے بیان کیا کہ غلام خلیل بہت بڑا زاہد اور شہوات ولذات دنیا سے الگ تھلگ رہنے والا ایک نیک انسان تھا اور عوام میں اتنا زیادہ مقبول تھا کہ اسکے انتقال کے وقت اہل بغداد نے اس کے سوگ میں بازار تک بند کر دیئے تھے۔ اس کے باوجود وہ حدیثیں وضع کرتا تھا [۵۴]

اسی طرح میسرہ بن عبد ربہ بھی بہت بڑا زاہد اور حدیثیں وضع کرنے میں مہارت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ابن مہدی نے اس سے پوچھا کہ آپ فضائل سور قرآن کے متعلق جو حدیث بیان کرتے ہیں اسکی بنیاد کیا ہے۔ تو اس نے کہا:

وضعتها ارغب الناس فيها [۵۵] (ہم نے خود ہی اسکو لوگوں کی ترغیب کیلئے وضع کیا)

ابوعصمہ نوح بن مریم القرشی مرو میں قضاء کے عہدہ پر فائز تھا۔ اس کے اندر مختلف کمالات یکجا تھے۔ اس نے فقہ امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے۔ حدیث حجاج بن ارطاۃ سے تفسیر کلبی اور مقاتل سے اور مغازی کا ابن اسحاق سے حاصل کی۔ لیکن اس نے دیکھا کہ زیادہ تر لوگ ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کی مغازی میں دلچسپی لینے لگے ہیں تو اس نے فضائل قرآن میں الگ الگ سورتوں کے ضمن میں حدیثیں وضع کرنی شروع کر دیں۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تیرے پاس قرآن کی الگ سورتوں کے فضائل میں یہ حدیثیں کہاں سے آئیں۔ اس نے کہا۔

انی رأيت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه ابی حنيفة ومغازی ابن اسحٰق فوضعت هذا الحديث حسبة [۵۶]

(میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں اور امام ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کی مغازی میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں تو میں نے عند اللہ ماجور

ہونے کی نیت سے حدیث وضع کی)

طاعت اور اعمال میں ترغیب کیلئے ابو عبداللہ محمد بن الکرام السجستانی اور اس کے اصحاب جو کرامیہ کے نام سے جانے جاتے تھے انکے مذہب میں وضع حدیث جائز تھا۔ اگرچہ محمد بن الکرام بجائے خود ایک نیک اور پرہیزگار انسان تھا۔

ان لوگوں سے جب یہ کہا جاتا کہ رسولؐ کے نام پر جھوٹی حدیثیں بنانا جائز نہیں تو انکی طرف سے جواب ہوتا کہ ہم رسولؐ پر جھوٹ نہیں بولتے بلکہ رسولؐ کے لئے جھوٹ بولتے ہیں۔ گویا انکی نگاہ میں رسولؐ کی تعلیمات اور ہدایات ناکافی تھیں جسکی وہ تکمیل کر رہے تھے۔ اور اپنے اس فعل سے دین اسلام کو بہت تقویت پہونچا رہے تھے۔

ان میں ایک ایک صوفی اور زاہد کے بڑی تعداد میں لوگ مرید ہوتے تھے وہ اپنے شیخ کی باتوں کو بالکل صحیح سمجھ کر انہیں عمل کی بنیاد بنا لیتے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ان جہلاء کے علاوہ بعض مفسرین جیسے واحدی، ابو بکر بن مردویہ، ابو اسحٰق ثعلبی اور ابو القاسم الزمخشری وغیرہ نے بھی انکی روایات قبول کیں اور تفسیر قرآن اور اسکی سورتوں کے فضائل کے ضمن میں ان حدیثوں کو نقل کیا۔ پھر ان مفسرین کی اتباع میں قاضی بیضاوی اور ابو بکر بن داؤد وغیرہ نے بھی ان روایات کو اپنی تفسیر میں جگہ دی۔

دوسری طرف عوام کو طبقہ صوفیا اور زہاد کی طرف سے جو نقصان پہونچا اسکو ابن جوزی نے اس طرح بیان کیا کہ کتنوں نے مصنوعی زہد اختیار کر کے زندگی ہی میں اپنی اولاد کو یتیم بنا ڈالا اور اپنی بیوی کے حقوق نظر انداز کر کے انکو ایسی حالت میں چھوڑ دیا کہ ان کا نہ کوئی شوہر ہے اور نہ وہ بے شوہر ہیں۔

اس طبقے نے زیادہ تر جن موضوعات کو اپنی جولان گاہ بنایا ان میں فضائل اعمال جیسے دن و رات کی نمازیں، فضائل صیام، جیسے ماہ رجب و ایام المحرم کے روزے

فضائل قرآن اور ذکر وغیرہ۔ اخلاقیات کے باب میں وہ جس چیز کو پسند و ناپسند کرتے اسے حدیث بنا دیتے۔ ان لوگوں نے جس طرح کی حدیثیں وضع کیں اسکی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

من قرء آیة الکرسی فی دبر صلوٰة لم یمنعه من دخول الجنة الا الموت ومن قرء حین یاخذ مضجعه امنه الله علی داره ودار جاره واهل دویرات حوله

(جو شخص نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے موت کے سوا کوئی دوسری چیز جنت میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی اور جو شخص اسے سوتے وقت پڑھے اللہ اسکے اور اسکے پڑوسیوں کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔)

من قرء فی لیلة بالٓمٓ تنزیل الکتاب و یٰسٓ و اقتربت الساعة و تبارک الذی بیده الملک کن له نوراً وحرزاً من الشیطان والشرک ورفع له فی الدرجات یوم القیمة

(جو شخص کسی رات الٓمٓ تنزیل الکتاب، یٰسین، اقتربت الساعۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک سورتوں کی تلاوت کرے قیامت کے دن اسے بلند درجات اور نور حاصل ہوگا۔ اور شیطان اور شرک سے اسکی حفاظت رہے گی۔)

فقہی اور مسلکی اختلاف

وضاعین حدیث میں ایک قسم ان جاہل متبعین کی ہے جو اپنے ائمہ کے مسلک میں نہایت متعصب اور سخت قسم کے مقلد واقع ہوئے خواہ ان کے ائمہ کا مذہب صحیح حدیثوں کی بنیاد پر ہوتا یا صحیح احادیث نہ ملنے کی صورت میں قیاس و اجتہاد پر کیوں نہ مبنی ہوتا مگر ان مقلدین نے تعصب اور مذہبی تقلید سے ہٹ کر اصل مسئلہ کو احادیث صحیح کی روشنی میں دیکھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس کے بالمقابل، دوسرے ائمہ کا مذہب خواہ حدیث صحیح کی بنیاد پر کیوں نہ ہوتا وہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتے اور اپنے مذہب کی تاویل در تاویل میں لگے رہتے اور ضرورت پڑنے پر حدیثیں گھڑ کے اسے تقویت پہونچانے کی کوشش بھی کرتے۔

ابتداء میں چار سو سالوں تک جب کسی کو کوئی مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت

پیش آتی تو وہ شہر کے کسی بھی فقیہہ یا مفتی سے بلا قید تقلید مسئلہ معلوم کر لیتا تھا۔ مگر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہر فقیہہ کے نام پہ ایک الگ حلقہ قائم ہو گیا اور تقلید کی ابتدا ہوئی ان میں ہر شخص اپنے امام کا معتقد بلکہ اس کے اقوال کی پیروی اسی طرح کرنے لگا گویا وہ نبی مرسل تھے۔ اور آہستہ آہستہ لوگ تقلید کے پابند ہوتے چلے گئے جس کا نتیجہ آپس میں بحث و جدال اور مزاحمت کی صورت میں سامنے آیا۔ ہر کوئی اپنے امام کو برحق اور اپنے مسلک کو صحیح ثابت کرنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ لوگوں نے نہ صرف اپنے مذہب اور امام کی تائید میں حدیثیں وضع کیں بلکہ دوسرے ائمہ کی تنقیص میں بھی حدیثیں گھڑ ڈالیں جیسے

من رفع یدیہ فی الصلوٰة فلا صلوٰة له [62]	جس نے نماز میں رفع یدین کیا اس کی نماز نہیں ہوتی۔
ان لکل شیٔ زینة وزینة الصلوٰة رفع الایدی عند کل تکبیرة [63]	ہر چیز کی ایک آراستگی ہوتی ہے اور نماز کی آراستگی ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔
یکون فی امتی رجل اسمه النعمان وکنیته ابو حنیفة وهو سراج امتی [64]	میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی، وہ میری امت کا سراج ہوگا۔
یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس [65]	میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس شافعی ہوگا وہ میری امت پر ابلیس سے زیادہ ضرر پہونچانے والا ہوگا

وضاعین حدیث میں ان بڑی اور مشہور اقسام کے علاوہ بہت سے لوگ انفرادی طور پر وضع حدیث میں مشہور تھے جیسے: مدینہ میں ابن ابی یحییٰ، بغداد میں واقدی، خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید المصلوب [66]

ان کے علاوہ وہب بن وہب القاضی، محمد بن السائب الکلبی، اسحٰق بن نجیح الملطی، عباس بن ابراہیم النخعی، مغیرہ بن شعب الکوفی، احمد بن عبداللہ الجویباری، مامون بن ابی

الہروی، محمد بن عکاشہ الکرمانی، محمد بن القاسم الطایکانی اور محمد بن زیاد الشکری ہیں جنہوں نے ہزاروں کی تعداد میں حدیثیں وضع کیں۔

حافظ سہل بن السری نے فرمایا کہ احمد بن الجویباری، محمد بن عکاشہ الکرمانی اور محمد بن تمیم الدارمی الفاریابی نے رسول اللہ کے نام پر دس ہزار سے زائد حدیثیں وضع کیں [67]

عبدالکریم ابن العوجاء نے چار ہزار [68] اور جعفر بن یزید الجعفی نے پچاس ہزار حدیثوں کو وضع کرنے کا اقرار کیا [69]

انفرادی طور پر اس طرح حدیثیں وضع کرنے والوں کے علاوہ مجموعی طور پر کم از کم چودہ ہزار حدیثیں زنادقہ نے اور تین لاکھ حدیثیں روافض نے وضع کیں [70]

ان موضوع اور خود ساختہ روایات کے مقابلہ میں اگر دیکھا جائے تو حدیث کی مستند ترین کتب جیسے موطا امام مالک، کتب صحاح (بخاری و مسلم)، کتب سنن (ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) اور مسند احمد بن حنبل کی کل روایات ایک لاکھ سے زائد ہیں۔

وضاعین حدیث نے پوری پوری کوشش کی کہ وہ اسلام کے خوشنما چہرہ کو بگاڑ دیں اسی کی خاطر انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں موضوع حدیثوں کے ڈھیر لگا دئیے مگر یہ محدثین کا احسان ہے کہ انہوں نے اصول روایت اور اصول درایت کو ایجاد کر کے ان کی روشنی میں تمام حدیثوں کی اچھی طرح چھان بین کی اور صحیح اور موضوع حدیثوں کو الگ الگ کتابوں میں لکھ کر ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

حوالے

روافض رافضة کی جمع ہے جو ایک شیعوں کی جماعت کا نام ہے۔

۱۔ مصطفیٰ سباعی، السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی/۹۳، قاهرہ ۱۹۶۱ء

۲۔ خطیب العجاج، السنة قبل التدوین/۱۹۲، قاهرہ ۱۹۶۳ء

۳ـ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی ۱/۲۸۵، دار نشر الکتاب الاسلامیہ، لاہور پاکستان

۴ـ محمد محمد ابوزہو، الحدیث والمحدثون/۹۷، مصر ۱۳۷۸ھ

۵ـ ابن حبان البستی، کتاب المجروحین ۱/۲۰۲-۲۰۳، حیدر آباد ۱۹۷۰ء

۶ـ مقدمہ صحیح مسلم

۷ـ علی القاری، موضوعات کبیر/۵۶۵، قرآن محل، کراچی، پاکستان

۸ـ السنۃ قبل التدوین/۱۹۷

۹ـ شمس الدین محمد السخاوی، فتح المغیث/۱۰۸، مطبع انوار محمدی ۱۳۰۳ھ

۱۰ـ موضوعات کبیر/۱۰۹

۱۱ـ الحدیث والمحدثون/۹۴

۱۲ـ جلال الدین سیوطی، اللآلی المصنوعہ/۱۹۷

۱۳ـ " /۱۹۹

۱۴ـ طاہر فتنی، تذکرۃ الموضوعات/۱۰۰، بمبئی ۱۳۴۲ھ

۱۵ـ اللآلی المصنوعہ/۲۵۴

۱۶ـ تذکرۃ الموضوعات/۱۰۰

۱۷ـ حسین بن ابراہیم الجوزقانی، الاباطیل والمناکیر ۱/۲۸۳، بنارس ۱۹۸۳ء

۱۸ـ " ۱/۲۵۵

۱۹ـ Prof. K. Ali, A Study of Islamic History/208, Delhi 1980

۲۰ـ اللآلی المصنوعہ/۲۶۵

۲۱ـ "

۲۲ـ السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی/۱۰۷

۲۳ـ اللآلی المصنوعہ/۲۸۶

۲۴ـ " /۲۷۰

۲۵ـ الحدیث والمحدثون/۳۳۶

۲۶ـ فتح المغیث/۱۰۸، تدریب الراوی ۱/۲۸۴

۲۷ـ اللآلی المصنوعہ/۵۹۶

۲۸ـ الحدیث والمحدثون/۲۶۵

۲۹ـ تدریب الراوی ۱/۲۸۴

۳۰ـ اللآلی المصنوعہ/۵۹۶

۳۱ـ مولانا عبدالحی لکھنوی، الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ/۲۳۶

۳۲ـ تدریب الراوی ۱/۲۸۴، فتح المغیث/۱۰۸

۳۳ـ جبکہ جمہور علماء افعال عباد اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ سمجھتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ بندہ انہیں اپنے کسب و اختیار کی بنا پر انجام دیتا ہے۔ الحدیث والمحدثون/۳۱۶

۳۴ـ اس کے مقابلہ میں جمہور علماء کا عقیدہ ہے کہ یہ صفات قائم بالذات ہیں مگر عین ذات نہیں (حوالہ ایضاً)

۳۵ـ A Study of Islamic History/253

۳۶ـ اللآلی المصنوعہ/۳

۳۷ـ ایضاً

۳۸ـ کتاب المجروحین ۱/۵۵

۳۹ـ طاہر فتنی، تذکرۃ الموضوعات/۱۳۹، مطبعۃ الشرق، مصر ۱۳۴۳ھ

۴۰ـ Gold Ziher, Muslim Studies 2/152, Oxford, London, 1971

۴۱ـ ایضاً

۴۲ـ الحدیث والمحدثون/۲۲۶

۴۳ـ کتاب المجروحین ۱/۷۱

۴۴ـ الحدیث والمحدثون/۲۲۶

۴۵ـ ایضاً/۱۱۸

۴۷ Muslim Studies 2/158

۴۸ الحدیث والمحدثون / ۳۴۰

۴۹ Muslim Studies 2/159

۵۰ السنة قبل التدوین

۵۱ الحدیث والمحدثون / ۲۶۹

۵۲ احمد بن علی الخطیب البغدادی، کتاب الکفایہ فی علم الروایۃ / ۲۱۱، حیدرآباد ۱۳۵۷ھ

۵۳ عمرو بن عثمان بن صلاح الدین عبدالرحمٰن الشہرزوری، مقدمہ / ۲۱۲ مصر ۱۹۲۴ء

۵۴ اللآلی المصنوعہ / ۵۹۷

۵۵ ایضاً۔

۵۶ کتاب المجروحین ۱ / ۵۴

۵۷ تدریب الراوی ۱ / ۲۸۲، مقدمہ ابن صلاح / ۲۱۴

۵۸ فتح المغیث / ۱۱۰

۵۹ تدریب الراوی ۱ / ۲۸۳، مقدمہ ابن صلاح / ۲۱۵

۶۰ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار / ۲۸۲، دہلی ۱۹۸۶ء

۶۱ اللآلی المصنوعہ / ۱۳۷

۶۲ تذکرۃ الموضوعات / ۸۷

۶۳ اللآلی المصنوعہ / ۳۰۹ ۶۴ اللآلی المصنوعہ / ۳۱۰ ۶۵ اللآلی المصنوعہ / ۲۵۰

۶۶ اللآلی المصنوعہ / ۶۷ اللآلی المصنوعہ / ۵۹۶ ۶۸ اللآلی المصنوعہ / ۵۹۹

۶۹ فتح المغیث / ۱۰۸، تدریب الراوی ۱ / ۲۸۴

۷۰ کتاب المجروحین ۱ / ۲۰۲

۷۱ موضوعات کبیر / ۵۶۵

ناظم اجلاس سے انٹرویو

ملاقاتی :- طارق حسین

> انجمن طلبہ قدیم کے چھٹے اجلاس عام کے ناظم مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی مدنی سے عزیزی طارق حسین متعلم عربی ہفتم نے ایک انٹرویو لیا۔ افادہ عام کی غرض سے ہدیہ قارئین ہے (ادارہ)

سوال :- انجمن طلبہ قدیم کا قیام کب عمل میں آیا اور اس کے قیام کے محرکات کیا تھے؟

جواب :- انجمن طلبہ قدیم ۱۴ر نومبر ۱۹۷۶ء میں قائم کی گئی۔ اسکے قیام کا پہلا محرک تو یہ تھا کہ فارغین جامعہ کو منظم کیا جائے۔ اور ان کے ذریعے سے مقاصد جامعہ کو زیادہ بہتر طریقے سے بروئے کار لایا جا سکے۔ دوسرے منتشر فارغین سے اس طرح ربط پیدا کر لیا جائے کہ اگر وہ تعلیمی لائن میں جا رہے ہیں تو انکی رہنمائی کیجائے اور اگر دعوتی لائن میں ہیں تو ان سے بھی استفادہ کیا جائے اسکے علاوہ اگر وہ کسی اور لائن میں جا رہے ہیں تو انہیں ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

سوال :- انجمن کے قیام کے بعد اس کے پہلے صدر کون منتخب ہوئے؟

جواب :- انجمن کے پہلے صدر مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی تھے۔

سوال :- کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ اب تک اس کے کتنے صدور اور سکریٹری رہے ہیں ناموں کی صراحت کے ساتھ؟

جواب :- اب تک اس کے تین صدر بالترتیب ، ابوالمکارم صاحب فلاحی ، تسیم غازی صاحب فلاحی اور موجودہ صدر مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی ہیں اور سکریٹری بالترتیب

انصار احمد صاحب فلاحی، نور محمد صاحب فلاحی، عبید اللہ فہد صاحب فلاحی، جاوید اشرف صاحب فلاحی اور موجودہ سکریٹری مولانا محمد عمران صاحب فلاحی ہیں اس کے علاوہ مجھے بھی اسکا سکریٹری رہنے کا شرف حاصل رہا ہے چوتھا اجلاس عام ہماری ہی سکریٹری شپ میں انجام پایا تھا۔

سوال:۔ ایک سوال یہ بتایئے کہ آپ اسکے باقاعدہ ممبر کب بنے اور ممبر بننے میں کون سے عوامل کارفرما رہے ہیں؟

جواب:۔ قیام کے اول روز ہی سے میں اس کا ممبر ہوں اور اس کے قیام کے لئے کوشش کرنے والوں میں میرا نام بھی شامل ہے اور اسی لئے ممبر سازی کی کوشش بھی کی گئی تاکہ فارغین جامعہ کو یکجا کیا جاسکے اور تحریکی کام کو آگے بڑھایا جاسکے جو ہمارے جامعہ کے دستور میں شامل بھی ہے کہ ایسے افراد تیار کرنا جو جدید و قدیم کے ماہر ہوں تاکہ وہ امت کی صحیح رہنمائی کر سکیں اور باطل کا علمی روشنی میں مسکت جواب دے سکیں نیز وہ گروہی تعصبات اور مسلکی جھگڑوں سے دور رہ کر قوم و ملت کے بہترین خادم بن سکیں۔

سوال:۔ مولانا! میں آپ سے یہ جاننا چاہوں گا کہ انجمن کے قیام کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب:۔ مقاصد (۱) فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے منظم کرنا (۲) انکی صلاحیتوں کو ان مقاصد کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کی تدبیر اختیار کرنا۔ (۳) جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کا تعاون کرنا۔ (۴) مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

سوال:۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ انجمن اپنے مقاصد کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے نیز یہ بھی بتایئے کہ ابتدا سے ہی وہی مقاصد چلے آرہے ہیں یا بعد میں اس میں ترمیم یا اضافہ بھی ہوا ہے؟

جواب:۔ بہرحال بہت حد تک انجمن اپنے حصول مقاصد میں کامیاب ہے لیکن ابھی وہ اس منزل تک نہیں پہنچی ہے جو اس کا مقصود ہے اور اس کیلئے ابھی بہت زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور مقاصد میں ابھی کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں ہوا ہے۔ تشریحات چونکہ مختلف افراد مختلف انداز میں کرتے آرہے ہیں اس میں کچھ فرق ہو سکتا ہے البتہ مقاصد کا محور تو وہی ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے۔

سوال:۔ اچھا! تو کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ اب تک اس کے کتنے اجلاس ہوئے اور گذشتہ اجلاس کے کیا اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں؟

جواب:۔ اب تک اس کے پانچ اجلاس ہو چکے ہیں اور ہر اجلاس پہلے اجلاس کے مقابلے میں بہتر اور خوب تر ہی رہا ہے ابھی چوتھا اور پانچواں اجلاس ہوا اس میں جو سمینار منعقد ہوئے اس کے مقالاجات باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کئے گئے اور وہ ملک کی مختلف مدارس اور لائبریریوں میں بھیجے گئے جو وہاں محفوظ ہیں۔ جس میں بہت ساری کارآمد باتیں ہیں جن سے مدارس اسلامیہ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

سوال:۔ ممبر شپ کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ممبر ہونے کیلئے فلاحی ہونا شرط ہے بھی یا نہیں؟

جواب:۔ دستور کے مطابق ہر فلاحی اس کا ممبر ہو سکتا ہے جو اس کے مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو نیز ہر وہ طالب علم جس نے فلاح میں کچھ دن تعلیم حاصل کی ہو اور وہ انجمن کے کاموں سے دلچسپی رکھتا ہو تو اسے بھی اس کا ممبر بنایا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کی تنظیمی نشست میں یا صدر و سکریٹری کے انتخاب میں اسے رائے دہی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

سوال:۔ کیا فارغین جامعہ کی طرح فارغات جامعہ بھی اسکی باقاعدہ ممبر بن سکتی ہیں اگر ممبر بن سکتی ہیں تو کیا ان کا بھی اجلاس ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فارغات کو ممبر بنانے کی اب تک تو کوشش نہیں کی گئی ہے البتہ کسی

حال تک ان سے بھی ربط رکھا گیا ہے اور اب اس چھٹے اجلاس کے موقع پر باقاعدہ فارغات جامعہ کا اجلاس ہو رہا ہے اور تمام فارغات کو دعوت نامے جاری کئے گئے ہیں کہ وہ اس اجلاس میں شریک ہوں اور اس میں انکی تنظیمی نشست بھی ہوگی جس میں صدر، سکریٹری اور دیگر ذمہ داران کا انتخاب ہوگا اور باقاعدہ انجمن طالبات قدیم کا قیام عمل میں آئے گا۔ فی الحال اس اجلاس کی کنوینر پہلے BATCH بیچ کی فارغہ ساجدہ والبالیت ہیں۔

سوال:۔ کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں اس کے ممبران کی تعداد کیا ہے؟ نیز یہ بھی کہ انکی اپنے اپنے حلقہ میں ذمہ داریاں کیا ہیں اور فی الحال کتنے ممبران اپنے حلقہ کی سطح پر ذمہ داریاں ادا کرنے میں سرگرم عمل ہیں؟

جواب:۔ فی الحال عالمیت وفضیلت سے فارغ ہونے والوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے لیکن اس میں سے جنہوں نے باقاعدہ ممبری فارم پر کیا ہے وہ پانچ چھ سو کے قریب ہیں اور انکی اپنے اپنے حلقہ میں ذمہ داریاں بھی ہیں اور باقاعدہ انکی یونٹیں قائم ہیں جس میں علیگڑھ یونٹ، دہلی یونٹ، بمبئی یونٹ، ریاض یونٹ اور قطر یونٹ قابل ذکر ہیں اور باقاعدہ مرکز سے انکا ربط ہے۔

سوال:۔ انجمن نے اپنا ایک ماہنامہ ترجمان "حیات نو" کے نام سے جاری کیا ہے لیکن یہ رسالہ وقت سے منظر عام پر نہیں آپا تا آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ ایسا لگتا ہے انجمن اپنے رفقاء سے تعاون نہیں لے پاتی یا پھر رفقاء تعاون پیش کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں؟

جواب:۔ رسالہ کے وقت پر منظر عام پر نہ آنے کی وجہ بیشتر مالی دشواری ہوا کرتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے رسالہ تیار ہے سارے میٹر سیٹ تیار ہیں لیکن وقت پر پیسہ نہ ہونے کے سبب اسے پریس بھیجنے میں تاخیر ہو جاتی ہے اس وجہ سے کبھی کبھی رسالہ زیادہ تاخیر سے شائع ہوا یا کبھی مجبوراً دو ماہی یا سہ ماہی کا رسالہ شائع کرنا پڑا ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب یہ پریشانی بہت حد تک دور ہو چکی ہے اس لئے ان شاء اللہ آئندہ رسالہ وقت پر شائع

ہوا کرے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں چھٹیاں ہوتی ہیں اور رسالے کی دیکھ ریکھ کرنے والے فلاحی حضرات چھٹیاں گذارنے کیلئے گھروں کو چلے جاتے ہیں جسکی وجہ سے رسالے کا کام موخر ہو جاتا ہے اور وقت پر شائع نہیں ہو پاتا چنانچہ ہماری شوریٰ نے طے کیا ہے کہ رسالے کو وقت پر نکالنے کیلئے ایک ہمہ وقتی ایڈیٹر تلاش کیا جائے تاکہ رسالہ وقت پر صحیح طریقے سے لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ سکے۔

سوال:۔ اسی سلسلے میں ایک سوال یہ ہے کہ "حیات نو" انجمن کا ترجمان ہے لیکن اس میں فلاحی برادران کی نمائندگی بہت کم ہو پاتی ہے یا برائے نام کہہ لیجئے آخر اسکی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ اسکی زیادہ تر فلاحی برادران کی کوتاہی کا دخل ہے یا جو فلاحی برادران اچھے لکھنے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کسی کثیر الاشاعت رسالے میں انکا مضمون شائع ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک انکی بات پہنچ سکے شاید اسی وجہ سے وہ اپنے مضامین "حیات نو" کو نہیں ارسال کرتے۔

سوال:۔ انجمن نے میقات رواں کیلئے جو پالیسی ترتیب دی تھی اس میں کس قدر کامیابی ملی اور اسکی ناکامی کے اسباب کیا رہے ہیں؟

جواب:۔ انجمن نے میقات رواں کے لئے جو پالیسی بھی مرتب کی تھی اللہ کا شکر ہے کہ اس میں ہمیں بہت حد تک کامیابی ہوئی ہے اور ابتک کہیں سے کوئی ناکامی کی صورت نظر نہیں آرہی ہے بلکہ ہم نے جس قدر بھی کام کرنا چاہا ہے اس سے زیادہ ہی پذیرائی ملی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم ابھی اس منزل تک نہیں پہونچ سکے ہیں جو ہماری انجمن کی پالیسی اور پروگرام کے مطابق متعین ہے۔

سوال:۔ جامعہ کے ساتھ اس کا تعاون کیسا رہا ہے؟ کہیں جامعہ سے اس کا کوئی ٹکراؤ تو نہیں اگر تعاون ہے تو اسکی چند قابل ذکر مثالیں دیں؟۔

جواب:۔ جامعہ کے ساتھ انجمن کا تعاون اللہ کا شکر ہے بہت اچھا رہا ہے اور اب تک کہیں کوئی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی ہے اور نہ ہی ان شاء اللہ اس طرح کی کوئی نوبت آئے گی اور ہی تعاون

ذکر مثالیں تو ذمہ داران جامعہ کو اب تک مسلسل عملی تعاون دیا جاتا رہا ہے اب تک درج ذیل پہلوؤں سے تعاون فراہم کیا گیا ہے۔

۱۔ جامعہ کا ماسٹر پلاننگ تیار کرایا گیا اور اسکی تکمیل کی گئی، وسائل کے حصول کی کوشش کی گئی۔ کئی اہم منصوبے انجمن کی کوشش سے عملی جامہ پہن چکے ہیں اور کئی منصوبے زیر تکمیل ہیں۔ ۲۔ طالبات کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ۳۔ جامعہ کے طلبہ وطالبات کی لائبریریوں کیلئے کتابیں اور الماریاں فراہم کی گئیں۔ ۴۔ ہر سال تعلیم میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کو انعامات دیئے جاتے ہیں۔ ۵۔ طلبہ کی علمی صلاحیتوں کے نشوونما کیلئے انکے مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ ۶۔ مطبخ میں طلبہ کے بیٹھنے کیلئے میزوں اور بنچوں کا نظم کیا گیا۔ ۷۔ طلبہ کے لئے کیمپس میں کینٹین قائم کی گئی۔ ۸۔ جامعہ کے طلبہ کو تعلیمی وظائف دیئے جاتے ہیں اور انکی فوری ضروریات کی بھی تکمیل کی جاتی ہے۔ ۹۔ طالبات کی آمدورفت کی پریشانیاں حل کرنے کیلئے انجمن نے ایک بس اپنی کوششوں سے فراہم کی۔ ۱۰۔ مختلف یونیورسٹیوں سے جامعہ کا الحاق کرانے کی کوشش کی گئی نیز اس سلسلے میں مزید کوششیں جاری ہیں۔

۱۱۔ انجمن اور جامعہ کی ضروریات کی تکمیل کیلئے ایک Ambassador گاڑی خریدی گئی
۱۲۔ طالبات کے ہوسٹل اور مرکزی لائبریری کی تعمیر کیلئے انجمن نے B.D.O سے منظوری حاصل کی۔

سوال:۔ آخری سوال یہ ہے کہ بحیثیت ناظم اجلاس آپکی سرگرمیاں کیا ہیں اور اسکی کامیابی کیلئے ابتک آپ نے کیا کچھ کوششیں کی ہیں اور اسکے نتیجے میں کس حد تک کامیابی ملنے کی امید ہے؟

جواب:۔ اجلاس کی کامیابی کیلئے زیادہ سے زیادہ افراد سے ربط قائم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں چنانچہ سیکڑوں عمومی دعوت نامے ملک اور بیرون ملک بہی خواہان جامعہ کو بھیجے جاچکے ہیں اسکے علاوہ تقریباً دو سو خصوصی دعوت نامے

اندرون ملک روانہ کئے گئے ہیں اور بہت سارے افراد سے وفد کی شکل میں ملاقاتیں بھی کی گئی ہیں اسکے علاوہ مختلف رسائل اور اخبارات کے مدیر حضرات سے ربط قائم کیا گیا ہے اور انہیں دعوت نامے بھی بھیجے گئے ہیں اخبار دعوت، اردو ٹائمز بمبئی اور انقلاب بمبئی میں اجلاس سے متعلق اعلانات شائع کرائے گئے اور مزید دسیوں اخباروں کو اجلاس سے متعلق اور خصوصاً سمینار سے متعلق اعلانات بھیجے گئے ہیں فلاحی حضرات کی خدمت میں دعوت نامے روانہ کئے گئے ہیں سمینار سے متعلق مقالہ نگار حضرات سے روابط قائم کئے گئے اور انہیں اس میں شرکت پر آمادہ کیا گیا اس کے علاوہ ادبی نشست کیلئے ملک بھر کے اسلام پسند ادباء و شعراء سے ربط قائم کیا گیا اور ان سے اس پروگرام میں شرکت کی منظوری حاصل کی گئی۔ فارغات کے اجلاس کیلئے بھی ملک بھر کی ممتاز خواتین کو شرکت کی دعوت دی گئی اور اہل قلم خواتین سے مقالہ لکھوانے کی کوشش کی گئی۔ ان ساری کوششوں کے نتیجے میں ہمیں توقع ان شاءاللہ ہمارا یہ اجلاس سابقہ اجلاسوں سے بہت بہتر اور کامیاب ہوگا۔

بقیہ:۔ شبلی کی سوانح نگاری

۳؎ Heroes ship and hiro-is in history P 27
۴؎ سرسید اور انکے نامور رفقاء ص۱۵۵
۵؎ ماہنامہ صبا حیدرآباد شبلی نمبر

۶؎ الماموں ص۱۵ ۷؎ المامون ص۱۴۵ ۸؎ المامون ص۱۵۴ ۹؎ المامون ص۱۳۵
۱۰؎ الفاروق ص۲۴۳ ۱۱؎ الفاروق ص۹ ۱۲؎ سیرۃ النعمان ص۴
۱۳؎ سیرۃ النعمان ص۳۷ ۱۴؎ سوانح مولانا روم ص۳۰ ۱۵؎ سوانح مولانا روم ص۱۵

وفیات

محمد اسمٰعیل فلاحی

گزشتہ دنوں ہماری کئی قیمتی شخصیات ہم سے جدا ہو گئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اٹھ جانے کو صرف انکے گھر والوں نے محسوس نہیں کیا بلکہ ایک دنیا ان کے غم میں روئی، پیدائش اور موت کے درمیانی وقفہ کو ہم زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک شخص اس وقفہ کی ایسی منصوبہ بندی کرتا اور ایک ایک سکنڈ کو اس طرح کام میں لاتا ہے کہ ایک لمبی چوڑی دنیا اس سے فائدہ اٹھاتی اور ان کے اٹھنے کے بعد ان کا خلا کیا جاتا ہے۔

ان میں سے ایک شخصیت معروف مورخ اور عالم دین مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ہیں۔ تفسیر، حدیث، سیرت و سوانح اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مسلکی تشدد کے بجائے ان کی فکر میں توازن اور اعتدال نظر آتا ہے۔ پوری زندگی علم کی خدمت میں گذار دی لیکن پھر بھی علمی غرور کا شائبہ نہیں، حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج جامعۃ الفلاح سے بھی انہیں بڑا لگاؤ تھا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتیں، وفات سے دو دن قبل صدر جامعہ مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب سے بڑی تفصیلی ملاقات رہی، فطری طور پر ان کی وفات کا غم یہاں محسوس کیا گیا اور طلبہ اور اساتذہ کا ایک بڑا وفد شریک جنازہ ہوا۔

دوسری محترم شخصیت جس کی جدائی کا داغ گزشتہ دنوں ہمیں سہنا پڑا پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی صاحب کی ہے۔ پروفیسر صاحب ایک لمبی مدت تک جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے وابستہ رہے ہیں، اس عرصہ میں "جامعہ"، "اسلام اور عصر جدید" اور "اسلام اینڈ ماڈرن ایج" کی کامیاب ادارت کے علاوہ جامعہ کالج کے پرنسپل، فیکلٹی آف ہومنٹیز اینڈ لنگویجز کے ڈین، اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈائرکٹر اور قائم مقام وائس چانسلر رہے ہیں۔ بہتیری کتابیں ان کے قلم سے نکلی ہیں اور بیشمار مضامین مختلف

مجلات کی زینت بنے ہیں۔ "ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم پر انکی کتاب "شہید جستجو" ایک منفرد کتاب ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی سوانح پر اپنی انگریزی کتاب کی پہلی جلد پریس کے حوالہ کر چکے تھے۔ توقع ہے کہ یہ کتاب بھی بصیرت افروز ہوگی۔ فوائد الفواد کا انگریزی ترجمہ بھی ان کے قلم سے نکلا ہے۔

یہ علمی اور انتظامی سرگرمیاں ایک جانب، دوسری طرف صوم و صلوٰۃ اور وظائف کے پابند، شب خیزی کے عادی، مل کر طبیعت خوش ہو اور کام کا حوصلہ ملے۔

کچھ عرصہ قبل برادر عزیز نیر علی امین صدیقی فلاحی نے بتایا کہ ذیشان فلاحی کے والد جو برادر موصوف کے خسر ہوتے تھے انتقال کر گئے۔

اسی طرح وابستگان جامعہ کیلئے یہ خبر بھی الم انگیز ہوگی کہ سابق ناظم جامعہ ڈاکٹر خلیل احمد صاحب کے والد بزرگوار چند روز پہلے وفات پا گئے۔

ادارہ حیات نو ان بزرگ شخصیات اور عزیزوں کی جدائی پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہے کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

بقیہ: حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی۔

تھا۔ حکومت مہاراشٹر کے تعاون کے باوجود ایسی نوبت کیوں آئی۔ جبکہ ادھر فاقہ مست جماعت اسلامی والے بڑے سے بڑا اجتماع بغیر کسی پریشانی کے کر لیتے ہیں، نہ نظم ٹوٹتا ہے نہ گندگی کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، گتھی تو صوفی ممکین نے سلجھائی۔ فرمایا میاں لغوی تم کیا جانو جماعت اسلامی کو رقم امریکہ سے ملتی ہے، اور ٹھیکہ دار بھی وہیں سے آتے ہیں اب کسی اشکال کو پر مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ امریکہ کی ٹکا ٹوجی پر کسی کو کیا کلام۔ مگر ایک ننھا سا خیال گوشۂ دماغ میں کلبلا رہا تھا۔ کہ غلبۂ اسلام کے لئے امریکہ کو رقم خرچ کرنے کی کیا ضرورت۔ مگر اس خدشے سے چپ رہا کہ صوفی ممکین مجھے مودودیا نہ کہہ بیٹھیں۔

اچھا اب اجازت۔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔ لغوی زندہ صحبت باقی۔

جامعہ کے لیل و نہار

محمد اشفاق عالم فلاحی

صدر جامعہ کا پیغام

صدر محترم جناب مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب نے چند روز قبل طلبہ جامعہ کو خطاب کیا جامعہ کے حالات وکوائف پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

عزیز طلبہ ! اب وہ مبارک ایام اس جامعہ میں آنے والے ہیں جبکہ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح ایک عظیم الشان سمینار کا انعقاد کر رہی ہے۔

اس میں مختلف اطراف وجوانب سے لوگ شریک ہونگے۔ ان میں فارغین جامعہ بھی ہوں گے ان میں وہ بھی ہوں گے جنہوں نے جامعۃ الفلاح کو اپنے ذہن کے خانوں میں ایک تاج محل تصور کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علماء و فضلا کی ایک بڑی جماعت اور علوم عربیہ کی مشہور شخصیات جلوہ فگن ہو رہی ہیں۔ اس موقع سے میں اپنے طلبہ سے چاہوں گا کہ وہ ان لوگوں کے خیالات کی تردید نہ کریں۔ جنہوں نے جامعۃ الفلاح کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور اس وقت اس ادارے کو اسلام کا مضبوط قلعہ تصور کرتے ہیں۔ نمازوں کا اہتمام کیجئے۔ مواخاۃ کی فضا پیدا کریں، سمینار کے انتظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ وضع قطع کا لحاظ رکھیں۔ نیز سلیقہ مند اور اسلامی اقدار پسند بن کر رہنے کی کوشش کریں۔ باہر سے آنے والے مہمان آپ کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کریں گے اس موقع پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ جامعہ اور احباب جامعہ کے متعلق ان کے ارمانوں کا خون نہ ہو۔

دیار کے فلاحی برادران کی میٹنگ

جامعۃ الفلاح ! ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۶ء بروز دوشنبہ ڈھائی بجے دن جامعۃ الفلاح اور اس کے مضافات کے فلاحی برادران کی ایک میٹنگ دفتر انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوئی جس میں اجلاس عام کی تیاریوں کا عمومی جائزہ لیا گیا۔ بالخصوص شعبہ مالیات کے مسائل پر غور وخوض ہوا اور اسکی ترتیب وتنظیم کیلئے ایک لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ اس میٹنگ میں ۳۰ سے زائد فلاحی برادران نے شرکت کی۔

انجمن طلبۂ قدیم شعبہ مالیات کے نئے ذمہ دار

۳۰ر ستمبر ۱۹۹۶ء موصول اطلاع کے مطابق جناب مولانا نور محمد صاحب فلاحی کی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے انکی جگہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کو شعبۂ مالیات کا ذمہ دار منتخب کیا گیا ہے۔ اور مولانا انصار احمد صاحب فلاحی حسب سابق انکے نائب رہیں گے۔

سمینار کے اہم شرکاء

مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب علی گڑھ۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب علیگڑھ۔ مولانا عتیق احمد صاحب بستوی ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب علیگڑھ۔ پروفیسر اقتدار حسین صاحب علیگڑھ۔

ادبی نشست کے اہم شرکاء

ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی صاحب، صدر ادارہ ادب اسلامی ہند، حفیظ میرٹھی۔ مائل خیرآبادی۔ عزیز بگھروی۔ ابوالبیان حماد۔ ابوالمجاہد زاہد۔ انتظار نعیم۔ تابش مہدی۔ کیف ذکائی۔ تمکین آکافی۔

نظماء اجلاس عام

تاسیسی اجلاس: ۱۹۷۸ء ناظم مولانا انصار احمد فلاحی صاحب۔ پہلا اجلاس عام: ۱۹۸۰ء ناظم مولانا اطہر ریحان فلاحی صاحب دوسرا اجلاس عام: ۱۹۸۲ء ناظم مولانا نور محمد فلاحی صاحب تیسرا اجلاس عام: ۱۹۸۵ء ناظم مولانا انصار احمد فلاحی صاحب چوتھا اجلاس عام: ۱۹۸۸ء ناظم مولانا انصار احمد فلاحی صاحب پانچواں اجلاس ۱۹۹۳ء ناظم مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب چھٹا اجلاس عام: ۱۹۹۶ء ناظم مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ

درس قرآن: بعد نماز فجر مولانا ابوالبقا ندوی ۱۵ منٹ

افتتاحی سیشن: ۱۰-۳۰-۱۱ بجے دن

افتتاح: مولانا محمد سراج الحسن صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند)

زیر صدارت: مولانا سید جلال الدین عمری (ناظم جامعہ)

کنوینر: مولانا مقبول احمد فلاحی

تلاوت کلام پاک: مولانا جاوید سلطان فلاحی

ترانہ جامعہ: ترانہ ٹیم

خطبہ استقبالیہ: مولانا مطیع اللہ فلاحی ۱۰ منٹ (ناظم اجلاس)

خطبہ افتتاحیہ: مولانا محمد سراج الحسن صاحب ۲۵ منٹ (امیر جماعت اسلامی ہند)

رپورٹ انجمن: مولانا محمد عمران فلاحی (سکریٹری) ۱۵ منٹ (سکریٹری انجمن)

خطبہ صدارت: مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی ۲۰ منٹ (صدر انجمن)

صدارتی کلمات: (ناظم جامعہ) ۱۰ منٹ

وقفہ:- برائے طعام و نماز جمعہ

افتتاح دارالاقامہ: ۲-۳ بجے

مہمان خصوصی: علامہ یوسف القرضاوی

کنوینر: مولانا طارق اکرام اللہ فلاحی

خطبہ استقبالیہ: مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی

کلمات مہمان خصوصی: ۴۵ منٹ

افتتاح دارالاقامہ: مہمان خصوصی

بعد نماز عصر تا مغرب: عصرانہ مع تعارف ابنائے قدیم

وقفہ: مغرب تا عشاء

خطاب عام: ۸-۳۰ بجے شب

زیر صدارت: مولانا محمد سراج الحسن صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند)

کنوینر: عبدالعزیز سلفی فلاحی

تلاوت و ترجمہ کلام پاک: مولانا اکرم فلاحی ۵ منٹ

ترانہ جامعہ: ترانہ ٹیم ۵ منٹ

نعت: ۵ منٹ

مقررین: (۱) مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی (صدر ایس آئی او یوپی مشرقی زون) ۲۰ منٹ

(۲) مولانا سید جلال الدین عمری (ناظم جامعہ) ۴۵ منٹ

صدارتی کلمات: مولانا محمد سراج الحسن صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند)

۲۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز سنیچر

درس قرآن: بعد نماز فجر مولانا عنایت اللہ سبحانی (صدر جامعہ) ۱۵ منٹ

سمینار بعنوان "علوم اسلامیہ و عصر حاضر" ۱۰ تا ۱۲ بجے

افتتاح: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

زیر صدارت: حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف)

خطبہ استقبالیہ: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی (کنوینر سمینار) ۱۰ منٹ

خطبہ افتتاحیہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۳۰ منٹ

دوسرا سیشن: ۲ تا ۴ بجے دن

کنوینر: اطہر ریحان فلاحی

بعد نماز عصر تقریب سنگ بنیاد انجمن ہاؤس
کنوینر: مولانا ابوالمکارم فلاحی صاحب

وقفہ: مغرب تا عشاء

تیسرا سیشن: ۸-۳۰ تا ۱۱ بجے شب

کنوینر: امیر احسن فلاحی

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز اتوار

درس حدیث: بعد نماز فجر مولانا عبدالحسیب اصلاحی ۱۵ منٹ

اختتامی سیشن: ۸ تا ۱۰ بجے دن

کنوینر: مولانا منور حسین صاحب فلاحی

تنظیمی نشست: ۱۰-۳۰ تا ۱۲-۳۰ بجے دن

زیر صدارت: مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی (صدر انجمن)

کنوینر: مولانا محمد عمران فلاحی (سکریٹری انجمن)

وقفہ: برائے نماز ظہر و طعام

دوسری نشست: ۲ بجے دن

انتخاب صدر انجمن و شوری زیر نگرانی مولانا نسیم احمد غازی فلاحی

ادبی نشست: ۸-۳۰ بجے شب

زیر صدارت: ڈاکٹر عبدالباری شبنم سبحانی

مہمان خصوصی: جناب ڈاکٹر فاروق احمد صاحب (ہمالیہ ڈرگس)

پروگرام انجمن طالبات قدیم

۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ

تعلیمی مظاہرہ جمعیۃ الطالبات: ۸ تا ۱۱/۳۰

افتتاحی اجلاس: ۱۱/۴۵ تا ۱۲/۳۰

۲۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز شنبہ

سمینار: بعنوان "تعمیر معاشرہ اور خواتین"

۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء خطاب عام: ۸ تا ۱۰/۳۰

تنظیمی نشست: ۱۱ بجے

طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ

۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعرات
۸ بجے تا ۱۱ بجے شب

زیر صدارت

مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی
(سرپرست جمعیۃ الطلبہ)

مہمان خصوصی

جناب شاکر تسلیمی صاحب (میرٹھ)

تلاوت کلام پاک

ترانہ

نظمیں

تمثیلیہ

تقاریر

اردو ۔ عربی ۔ انگلش
ہندی

غزل

جاوید احسن فلاحی

نہیں جاتی گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی
اگر گلچیں تری یہ فتنہ سامانی نہیں جاتی
کسے آواز دوں اب دل کی ویرانی نہیں جاتی
قیامت ہے کہ اس پر بھی تو نادانی نہیں جاتی
بتوں کی طرح قبروں پہ کئے سجدے مگر دیکھو
کسی حالت میں بھی اپنی مسلمانی نہیں جاتی
ہم اہل دل مصائب سے تو گھبرایا نہیں کرتے
گھڑی سختی میں پڑ جائے تو تابانی نہیں جاتی
وہ اپنا جھوٹ بھی منوا ہی لیتا ہے سلیقہ سے
میں سچی بات کہتا ہوں مگر مانی نہیں جاتی
مصائب لاکھ ہوں لیکن یہ میرا ذوق ہے اپنا
کسی حالت میں بھی اپنی گل افشانی نہیں جاتی
صدائے دوست ہے یا نالۂ دل ہے بھلا کیا ہے
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی
خرد نے لاکھ سمجھائے نتائج عشق کے یارو
مگر جاوید پھر بھی من کی نادانی نہیں جاتی

جامعہ "مصباح العلوم" چوکونیاں

مدرسہ ایک پاور ہاؤس ہے جہاں سے مسلم بچوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے، بچوں کو صحیح تعلیم و تربیت سے بہرہ مند کرنا ایک دینی فریضہ ہے اسی احساس نے امت مسلمہ کے دردمندوں کو مدارس کے قیام کی طرف توجہ دلائی اور آج ہندوستان کے طول و عرض میں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے جو نوخیز مسلمان نسلوں کی ملی تعمیر اور دینی نشوونما کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں انہیں مدارس میں سے مدرسہ "مصباح العلوم" چوکونیاں بھی ہے جسکی تاسیس ۱۲ر جون ۱۹۶۲ء میں ہوئی جس کے سرخیل جناب حاجی "شجاعت علی چودھری اور جناب" انعام اللہ عرف "جابر" چودھری صاحبان تھے ~ این سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتداء میں ادارہ ہذا بانیوں کیساتھ علاقائی تحریکی رفقاء کی سرپرستی و رہنمائی میں رواں دواں رہا، اور مختلف تعلیمی مراحل سے گذرتا ہوا ۱۹۹۱ء تک پہونچا اس وقت جناب "جابر" چودھری صاحب ناظم جامعہ "مصباح العلوم" نے یہ فیصلہ کیا کہ ادارہ ہذا کو مکمل طور پر اپنے مقصد سے وابستہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسکو "جامعۃ الفلاح" بلریا گنج کی نگرانی میں دے کر اسی کا نصاب داخل کیا جائے جسکے کوشش کی گئی، الحمد للہ ۱۹۹۱ء میں کامیابی حاصل ہوئی اسطرح جامعہ "مصباح العلوم" چوکونیاں سدھارتھ نگر شمالی مشرقی یوپی کی ایک قدیم منفرد تاریخی درسگاہ کی شکل میں معروف و مشہور ہے جس نے "جامعۃ الفلاح" کے زیر سرپرستی قلیل مدت میں اپنی معیاری تعلیم بہترین تربیت اور حسن انتظام کی بنا پر نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے اور آج اسکو ایک دینی و عصری علوم کا مرکز اور قابل اعتماد تربیت گاہ کا درجہ دیا جا رہا ہے۔

یہاں ابتدائی و ثانوی اور شعبہ حفظ کیساتھ عربی سوم تک پورے نشاط کیساتھ تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے استفادہ کرنے والے طلبہ دیگر دانشگاہوں میں علم و ادب کے فلک پر ستارے بنکر چمک رہے ہیں اور جامعہ "مصباح العلوم" کیلئے وجہ سرفرازی اور باعث افتخار ثابت ہو رہے ہیں۔ اللہ جامعہ کو نظر بد سے بچائے اور ترقی سے نوازے (آمین)

~ اس جامعہ کو روز نئی اک بہار دے ۔ جو کچھ کمی ہے فضل کی یا رب سنوار دے

(صدر مدرس) مشتاق احمد فلاحی ایم اے